شہابِ ثاقب

ثاقب زیروی

دی پاکستان کواپریٹو بک سوسائٹی لمیٹڈ
چٹاگانگ ـــــ کراچی ـــــ ڈھاکہ

ناشر

پاکستان کوآپریٹو بک سوسائٹی لمیٹڈ

کراچی۔۳

مطبوعہ ــــــــــ دین محمدی پریس لاہور

تعدادِ طبعِ اوّل ــــــــــ ۲۰۰۰

قیمت ــــــــــ پانچ روپے

☆

مرے کریم ترِی بخشش و عطا کے نثار
دِل و نگاہ سے پردہ اُٹھا دیا تُو نے
ادائے شکر کے قابل زبان بھی ہو عطا
جو درد سارے جہاں سے سوا دیا تُو نے

تحدیثِ نعمت

تحدیثِ نعمت کے طور پر سب سے پہلے اپنی اِس خوش بختی کا ذکر کروں گا، کہ محبّی و مخدومی خان نیاز محمد خان صاحب (سی۔ایس۔پی) کی کریم النفسی کے طفیل مجھے "شہابِ ثاقب" کو منصۂ شہود پر لانے میں ہرگز کسی قسم کی کوئی دقّت، اذیّت یا دوڑ دھوپ پیش نہیں آئی۔ ایک دن کراچی میں اظہارِ نیاز کے لئے حاضر ہوا تو آپ نے از راہِ ثاقب نوازی اپنی کاوشوں کا ایک حصّہ منظرِ عام پر لانے کی مخلصانہ تلقین فرمائی میں نے نیاز مندانہ آمادگی کا اظہار کیا تو فرمایا۔ "آپ کے ذمہ بس اِتنا ہی کام ہے کہ بکھرے ہوئے اوراق کو فراہم کر کے بھجوا دیجئے باقی سب کچھ بہ طریقِ احسن یہاں انجام پا جائے گا" اور پھر ایک دن پاکستان کو اپریٹو بک سوسائٹی کے دبیر و ناظم کی طرف سے مجھے ایک "معاہدہ نامہ" وصول ہو گیا جس کا حاصل، نیاز و ناز کا یہ مرقع ہے جو اس وقت "شہابِ ثاقب" کے نام سے آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اللہ اسے قبول کرے اور اس مردِ اولوالعزم سے دین و دُنیا کے بڑے بڑے کام لے (آمین) لاریب میری خاموش خودداری کو اگر ان کے وسیع الظرف مزاج کا سہارا نہ ملتا تو شاید یہ مجموعہ ابھی اور چند سال شرمندۂ طباعت نہ ہو پاتا۔

لیکن اِس خوش بختی کا ذکر کرتے وقت یہ دلدوز کسک آخر دم تک بدستور قلب و جگر کو کچوکے دیتی رہی ہے کہ "شہابِ ثاقب" منظرِ عام پر آیا بھی تو اُس وقت جب اُس

کے ۲ دو والا و شیدا بزرگ اللہ کو پیارے ہو چکے ۔ پہلے ـــــ میرے بھائی جان "ابو حمید ظفر (چودھری عبداللہ خان صاحب (نوّر اللہ مرقدہٗ) جن کی مُحبّانہ تلقین و تحریک "شہابِ ثاقب" کی کتنی ہی غزلوں اور نظموں کی شانِ نزول ہے اور دوسرے استاذی المحترم حضرت مولٰنا عبدالمجید سالکؔ (مرحوم و مغفور) جنہوں نے شہابِ ثاقبؔ کی ترتیب و تدوین کی خبر سُنتے ہی پھڑک کر فرمایا "اِس میں ثاقبؔ کا تعارف میں لِکھّوں گا" اور پھر فرشِ بسترِ علالت ہونے کے باوجود ایک مبسوط نوٹ لکھ کر جلد ہی مجھے بھجوا بھی دیا جو شریکِ اشاعت ہے ـــــ وُہ عظیم و برتر خُدا اِن دونوں پاک رُوحوں کو اطمینان، سکینت اور کروٹ کروٹ جنّت نصیب کرے ۔ یہ دونوں جب تک اِس دنیا میں رہے اِن کی دردمندیوں، دلداریوں، محبّتوں اور کرم فرمائیوں سے ثاقبؔ کو اس کے حق سے ہمیشہ کچھ زیادہ ہی ملتا رہا ـــــ بے شک اگر "شہابِ ثاقب" میں آہنگِ حجاز کا حِصّہ شامل نہ ہوتا جو اُس وجہِ تخلیقِ کائنات کے نام منسُوب و معنون ہے جس سے پہلے اور بعد میں بڑا انسان نہ کبھی پیدا ہوا نہ ہو گا تو شہابِ ثاقبؔ کے انتساب کے متن میں یقیناً میرے انہی تین نالہ شناس محسنوں کا تذکرہ دکھائی دیتا ۔

ناچیز
ثاقبؔ زیروی

۱۰ر اکتوبر
۱۹۵۹ء

ثاقبؔ کا تعارف

(از حضرت مولٰنا عبد المجید سالکؔ (نور اللہ مرقدہٗ) کے قلم سے

اگرچہ ثاقبؔ کی شاعری اور جریدہ نگاری کا غلغلہ چند ہی سال سے عام ارباب ذوقِ سلیم کے کانوں تک پہنچا ہے لیکن میں انہیں کوئی بیس۲۰ سال سے جانتا ہوں جب وُہ سرکاری ملازم تھے اور کبھی کبھی شعر بھی کہہ لیا کرتے تھے جو زیادہ تر مذہبی انداز کے ہوتے تھے۔ اُن کا ذوقِ سخن میرے دامن میں اور اُن کا شوقِ صحافت "انقلاب" کی آغوش میں پروان چڑھا ہے وُہ خلوص و محبت اور احساس و دردمندی کے پیکر ہیں چنانچہ آپ کو اُن کی یہ خصوصیات اُن کی شاعری، اُن کی انشاپردازی اور اُن کی صحافت میں قدم قدم پر جلوہ گر نظر آئیں گی۔

شعر و موسیقی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ثاقبؔ کو ان دونوں سے بہرۂ وافر ملا ہے۔ اُن کے شعر میں ایسا درد و سوز اور اُن کے نغمے میں ایسی کھٹک موجود ہے کہ جب وُہ مشاعرہ کی سٹیج پر آتے ہیں تو حاضرین نقش بدیوار ہو جاتے ہیں اور داد و تحسین کے غلغلہ انداز وقفوں کے سوا آخر تک نقش بدیوار ہی رہتے ہیں۔

ان کی نظموں اور غزلوں کا پہلا مجموعہ ارباب ذوقِ سلیم کی خدمت میں پیش ہو رہا ہے۔ ثاقبؔ ابھی اس کی اشاعت پر آمادہ نہ تھے کیونکہ وُہ جانتے ہیں کہ مجموعوں کی اشاعت کٹھن سال

شاعروں کا حق ہے لیکن احباب اَور مدّاحوں کے تقاضے نے مجبُور کر دیا کہ وُہ چند منظومات کو جن میں سے اکثر زبان زدِ عام ہیں اَور جن کو بار بار ثاقب کی زبان سے سُننے کا اِشتیاق بھی عام ہے جمع کر دیں۔ میرے نزدیک یہ مجمُوعہ اہلِ ذوق کے فوری اطمینان کے لئے کافی ہوگا اَور وُہ آئندہ مجموعوں کے منتظر رہیں گے اَور

"نقّاش نقشِ ثانی بہتر کشد زِ اوّل"

ثاقب کی تربیت مذہبی ماحول میں ہوئی ہے اُن کی طبیعت میں شرافت، سعادت، شرم، حضوری اَور دیانت فکر و عمل کی بنیادیں گہری ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں نوجوانی اَور جوانی کے دونوں زمانوں میں کبھی نفسی بے راہ روی یا فکری آوارگی کا شکار نہیں ہونا پڑا اَور وُہ ہمیشہ ایک بندھے ٹکے اسلوبِ زندگی پر کاربند رہے ہیں چنانچہ اُن کی شاعری کو دیکھیئے فکر میں جدّت تو ہے ابتذال نہیں دین اَور حمیّتِ دین تو ہے مُلّائیت نہیں عشق تو ہے لیکن فسق کا شائبہ تک نہیں غریبوں کی مصیبتوں پر آنسو ہیں موجودہ نظامِ عدمِ مساوات کے خلاف طیش ہے لیکن کمیونزم نہیں۔ یہی اعتدال کا رستہ اَور یہی صراطِ مستقیم ہے اَور مجھے ہرگز اندیشہ نہیں کہ اب ثاقب اپنی ادبی زندگی کے کسی موڑ پر بھی اِس صراطِ مستقیم سے گمراہ ہوں گے۔

ثاقب کی نعت میں پُرانے نعت گویوں کی "توصیفِ رُخ و گیسُوئے محمدؐ" نہیں نہ نئے مدّاحوں کا انقلابی لہجہ ہے۔ بلکہ کچھ ایسا سمویا ہوا انداز ہے جس میں حضورؐ کی تعلیمات کی عظمت کے ساتھ ہی ساتھ حضورؐ کے ساتھ عشق و شیفتگی کی وُہ کسک بھی موجود ہے جو ہر مسلمان کے گوشۂ دل کا عزیز ترین سرمایہ ہے مسلمانوں کے قلوب میں عشقِ رسُولؐ کو زندہ رکھنے کا بہترین تبلیغی نسخہ یہی ہے کہ اس قسم کی نعتوں کو رواج دیا جائے میں سمجھتا ہوں کہ ثاقب اِس کے اہل ہیں اَور ہمیں ان سے مزید اچھی نعتوں کی توقع رکھنی چاہیئے۔

غزل میں ثاقب شدّتِ اظہار کا قائل نہیں صرف شدّتِ احساس کا قائل ہے وُہ واردات کو دل کی گہرائیوں تک محسُوس کرتا ہے لیکن اظہار کے وقت احتیاطاً دائیں بائیں

نگاہ ڈال لیتا ہے کہ کوئی اِن واردات کو عُریاں نہ دیکھ لے۔ ایک غمناک تامّل، ایک محتاط رکاوٹ، ایک شریفانہ عشق ثاقبؔ کی غزل کی خصوصیت ہے اور اس "لئے دیئے" کا اثر یہ ہے کہ درد زیادہ عمیق اور سوز زیادہ جلانے والا ہوتا ہے اور شاعر کی ہستی ایک انگارہ بن کر رہ جاتی ہے جس پر اگرچہ راکھ کی دبیز تہ جمی ہوتی ہے لیکن اُس کا اندرونہ شعلوں کا سرمایہ دار ہوتا ہے۔ ثاقبؔ کی نظموں میں معاشرتی مسائل کی طرف اشارے بھی ہیں محبت کے اُن معاملات کا تذکرہ بھی ہے جس کے لئے "ظرفِ تنگنائے غزل" کافی نہ تھا۔ حُبّ وطن کے نہایت مخلصانہ اور سچّے جذبات بھی ہیں۔ غرض ثاقبؔ کے کلام میں مجھے کوئی ایسا "عدم تطابق" یا فقدانِ اعتدال نظر نہیں آتا جس سے اُس کے فکر کی گمراہی کا اندیشہ ہو۔ اس کا ڈھرّا قائم ہو چکا ہے۔ اب ضرورت ثباتِ قدم کی ہے اور انشاء اللہ وُہ ثابت قدم رہیں گے لغزشوں کا دور گذر چکا اب راستہ سیدھا اور صاف ہے۔

اخبار نویسی فکر و شعر کی دشمن ہے۔ ثاقبؔ کو غنیمت سمجھنا چاہیئے کہ وُہ کسی روزانہ اخبار کے مُدیر نہیں ہیں ورنہ اب تک اُن کی شاعری جاں بحق ہو چکی ہوتی۔ ہفتہ وار صحافت کی مصروفیات بھی کم نہیں لیکن تجربہ سے معلوم ہو گیا ہے کہ ثاقبؔ کی شاعری ہفتہ وار صحافت کی چوٹ برداشت کر سکتی ہے۔ دیکھیں کب تک کر سکتی ہے لیکن مجھے ثاقبؔ کے توازن و اعتدال سے توقع ہے کہ وُہ ان دونوں مشغلوں کو بیک وقت باحسن وجُوہ نباہ لے جائیں گے۔

میں ان چند تعارفی الفاظ کے ساتھ ثاقبؔ کی کتاب کو اہلِ ذوق کی خدمت میں پیش کرنے کی عزّت حاصل کرتا ہُوں۔

۱۱ر جُون
۱۹۵۹ء

عبدالمجید سالکؔ

آہنگِ حجاز

کہاں تُو کہ باعثِ کُن فکاں کہاں فکرِ ثاقبِ نیم جاں
بھلا مدحتِ شہِ انس و جاں کرے مجھ سا خانہ خراب کیا

ترتیب

تُو حبیبِ ربِّ جلیل ہے تری عظمتوں کا جواب کیا
تُو مقامِ فخرِ خلیل ہے تری حُرمتوں کا حساب کیا
تری اِک نگاہ پڑی جہاں وہاں ظلمتوں کا گُذر کہاں
ترے ایک جلوہ کے سامنے مہ و مہر کی تب و تاب کیا

تری عظمتوں کے نشاں کبھی نہ مٹیں گے شورشِ کُفر سے
یمِ بے کراں سے اُلجھ سکے گی حقیر جُوئے کمِ آب کیا
یہ مری نظر کا قصُور ہے کہ تُو پاس رہ کے بھی دُور ہے
یہ مرا ہی شوق ہے درمیاں تجھے احتیاطِ نقاب کیا

جو ترے جمال میں کھو گیا ہوا بے نیازِ غمِ جہاں
وہ رہینِ سُود و زیاں ہو کیوں کہ عذاب کیا ہے ثواب کیا

ترے میکدے سے جو پی گیا ترا کیف جس نے سمو لیا
اُسے فکرِ عرصۂ دہر کیوں، اُسے خوفِ روزِ حساب کیا

کہاں تُو کہ باعثِ کُن فکاں۔ کہاں فکرِ ثاقبِ خستہ جاں
بھلا مدحتِ شہِ انس و جاں کرے مجھ سا خانہ خراب کیا

سلام اُن پر، دُرود اُن پر، زباں پہ آیا ہے نام جن کا
مِرے تخیّل کی رفعتوں سے بلند تر ہے مقام جن کا
اُنہی کے فیضِ کرم سے علم و ادب کے چشمے اُبل رہے ہیں
مثالِ قرآں زبانِ عالم پہ آج تک ہے کلام جن کا

بروزِ محشر خدا کی رحمت اُنہی پہ سایہ کرے گی آ کر
جنوں نے بڑھ کر لکھا دیا ہے ترے شہیدوں میں نام جن کا

اُنہی کی مستی ہے میکدوں میں اُنہی کا چرچا ہے میکشوں میں
بلا تامّل رواں ہے اَب تک تمام رندوں میں جام جن کا

ہمارے دل کا تو پُوچھنا کیا اُنہی کا قائل اُنہی پہ مائل؛
بلند رُتبہ ہے پادشاہوں سے ایک ادنیٰ غلام جن کا
اُنہی کے قانونِ زندگی سے نظام ہیں زندگی کے قائم
نہیں ہے گرچہ جدید پھر بھی جدید تر ہے نظام جن کا

وُہ نُور دیکھو، ظہُور دیکھو، جمال دیکھو، کمال دیکھو
وُہی ہیں عقبیٰ میں میرِ محفل سُنا تھا دُنیا میں نام جن کا
اُنہی کے پیغامِ ضَوفشاں سے چھٹیں گی تاریکیاں جہاں کی
عرب کے ظلمت کدوں میں پہلے کبھی تھا گونجا پیام جن کا

نہیں یہ جرأت تو اور کیا ہے میں اُن کی توصیف کر رہا ہُوں
خُدا نے ذوقِ طلب میں ثاقبؔ کیا ہے خود احترام جن کا

مجبورِ دعاؤں میں اثر ڈھونڈ رہے ہیں
رحمت کی وہی پہلی نظر ڈھونڈ رہے ہیں
آنکھوں میں ہیں اشکوں کی لرزتی ہوئی شمعیں
اور اس شبِ ظلمت کی سحر ڈھونڈ رہے ہیں

اے رُوحِ تقدّس تری رفعت کے سہارے
ہم عظمتِ ناموسِ بشر ڈھونڈ رہے ہیں
جلوہ نظر آیا تھا اُنہیں جو شبِ اسریٰ
اب تک اُسے خورشید و قمر ڈھونڈ رہے ہیں

جو شام و سحر تھے ترے جلووں سے منوّر
وہ شام و سحر، شام و سحر ڈھونڈ رہے ہیں
جس درد سے صدّیقؓ کی آنکھیں ہوئیں خوں بار
وہ درد مرے دیدۂ تر ڈھونڈ رہے ہیں

ثاقبؔ جہاں ملتی ہیں ہر اِک دل کو مُرادیں
ہم اُس شہِ لولاکؐ کا در ڈھونڈ رہے ہیں

○

ہیں رُوکشِ جنّت گل و ریحانِ محمدؐ
کس شان سے مہکا ہے گلستانِ محمدؐ

کیوں ہو نہ ہر اک قوم ثنا خوانِ محمدؐ — آفاق ہے شرمندۂ احسانِ محمدؐ
کس شوق سے لیں طور نشینوں نے بلائیں — جب سوئے مدینہ چلے مستانِ محمدؐ

میں شانِ محمدؐ تو بیاں کرتا ہوں لیکن — اذکار کہاں میرے کہاں شانِ محمدؐ
آتشکدے سب بجھ کے ٹھنڈے ہوئے لیکن — گُل ہو نہ سکی شمعِ شبستانِ محمدؐ

معراج میں حضرت کے قدم عرش پہ پہنچے — ہے عرش بھی ہم پایۂ ایوانِ محمدؐ
کونین کے سینے میں حرارت ہے انہی کی — اللہ کے دل میں بھی ہے ارمانِ محمدؐ

دیں بھی وہی ملّت بھی وہی ملّتِ بیضا — سادہ سا مسلماں ہوں مسلمانِ محمدؐ
تُربت سے ہو کیا خوف، مجھے حشر کا کیا غم
ثاقب مرے سینے میں ہے قرآنِ محمدؐ

جو تیرا ہو وہ تیرے سوا کس کو پکارے
سُن اے مری کمزور اُمیدوں کے سہارے

اَے شاہِ دوعالم مری کشتی کو بچا لے
منجدھار ہے اَور دُور ہیں موجوں سے کنارے
پُر نور ہُوئی تجھ سے عرب کی شبِ تاریک
تو چاند تھا اَور تھے ترے اصحاب ستارے

اَب تیرے سوا کَون انہیں زندہ کرے گا
دم توڑ گئے راہ میں آلام کے مارے
پھر زُلفِ حیات آج پریشان ہے مولا
اِس کو ترے شانے کے سوا کون سنوارے

اِک بار پھر اُمّت پہ وُہ شفقت کی نگاہیں
اَے آمنہؓ کے لال حلیمہؓ کے دُلارے
ثاقبؔ کو بھی دُھن ہے یہی اے شاہِ مدینہ
اِن آنکھوں سے دیکھے کبھی بطحا کے نظارے

ہر عزم کی روشن پیشانی پر نام تمہارا دیکھا ہے
ہر وقت کے بہتے دھارے پر پیغام تمہارا دیکھا ہے
نُصرت نے تمہاری عظمت کے بیباک ترانے گائے ہیں
رحمت کے دمکتے ہونٹوں پر الہام تمہارا دیکھا ہے

پیوندِ قبا و چادر ہیں قدموں میں دو عالم کی دولت
آغاز تمہارا دیکھا ہے، انجام تمہارا دیکھا ہے
تاریک دِلوں کو نُور دیا۔ رحمت سے جہاں معمُور کیا
ہر ادنیٰ و اعلیٰ پر یکساں انعام تمہارا دیکھا ہے

اِک نُور کی پیاسی دُنیا پر اُبھرا جو مثالِ شمس و قمر
خُم خانۂ کوثر کے ساقی وُہ جام تمہارا دیکھا ہے
اَے رحمتِ عالم دونوں جہاں حلقے ہیں تمہاری زُلفوں کے
از صُبحِ ازل تا شامِ ابد، اِک دام تمہارا دیکھا ہے

دُنیا کے مصائب کا ثاقبؔ کیا رنج کرے کیوں فکر کرے
تاریکیٔ حرماں میں اکثر پیغام تمہارا دیکھا ہے

ختم ہیں تجھ پہ خُوبیاں ختم ہیں تجھ پہ مدحتیں
تجھ پہ سلام بار بار تجھ پہ ہزار رحمتیں
تیرے طُفیل آدمی رُوکشِ قُدسیاں ہوا
تیری ضیا سے بڑھ گئیں ارض و سما کی جلوتیں

ختمِ رُسل ہے تیری ذات فخرِ رُسل ہے تیرا نام
وقف ہیں تجھ پہ عظمتیں ختم ہیں تجھ پہ برکتیں
تیرے قدم پہ جُھک گئے تاجورانِ شرق و غرب
تجھ پہ نثار ہو گئیں دونوں جہاں کی رفعتیں

پرچمِ نُور لے کے جب جلوہ طراز تو ہوا
مِٹ گئیں کُفر و شرک کی سارے جہاں سے ظلمتیں

تیرے غُلام ہو گئے دونوں جہاں سے بے نیاز
تیرے فقیر پا گئے کون و مکاں کی دَولتیں

کرتا ہے ثاقبِ حزیں تجھ سے ہی کسبِ فیضِ نُور
تیری لگن نے دیں اُسے عِلم و اَدب کی نِعمتیں

زہراب

آپھر آغازِ محبّت کا فسانہ چھیڑیں
آپھر آغازِ تباہی کی کوئی بات کریں

ترتیب

جھوم کر کون اُٹھا ہے سرِ ایوانِ غزل
گنگنانے لگے افکار بعنوانِ غزل
زُلفِ شبگوں میں مہک عارضِ گلگوں پہ نمی
نُور و نکہت سے مزیّن ہے شبستانِ غزل

خسروِ مے کی اُٹھی خاک نشینوں پہ نظر
لو بھری بزم میں بٹنے لگا عرفانِ غزل
تم انہیں جام کہو ساغر و پیمانہ کہو
میری آنکھوں میں وُہ آنکھیں ہیں خمستانِ غزل

ہائے وُہ منظرِ بے تابیٔ حسن اشک بہ اشک
کس تسلسل سے نکھرتا گیا وجدانِ غزل
مُدّتوں بعد کل اُس راہگذر سے گُذرے
دِل میں انگڑائیاں لیتا رہا ارمانِ غزل

اَب تو کلیوں کو بھی چُھو موگے تو آنچ آئے گی
ہم نے دہکا دیا داغوں سے گلستانِ غزل
لُطف کو جَور کہے جاؤ گے کب تک ثاقبؔ
یہ تصرُّف یہ شکایت نہیں شایانِ غزل

○

گھیرے لگے ہوئے غمِ ایّام کے سائے
کِس طرح کوئی اُن کی رفاقت کو بھُلائے

ہنس ہنس کے بڑھاتا ہُوں میں یُوں حوصلۂ دِل
رو رو کے کوئی جیسے بُجھی شمع جلائے

پلکوں کی نمی آئینہ دارِ غمِ دل ہے
بنتی نہیں اب رازِ محبّت کو چھپائے
پھولوں کی مہک کم نہیں کانٹوں کی چبھن سے
کِس کِس سے کوئی دامنِ احساس بچائے

چارہ گرو اُس درد کی ایسی کوئی تدبیر
جب تک نہ کروں یاد اُسے یاد نہ آئے
پھر آج سرِ طُورِ وفا جاتے ہیں ثاقبؔ
نظروں میں کِسی شوخ کے جلووں کو بسائے

حُسنِ نظر کے دھوکے کھائے ذوقِ نظر کی آب گنوائی
جب بھی آگ بجھانے نِکلے اور نئی اِک آگ لگائی
تیرے حُسن کا پرتو ہرجا میرے عشق کا چرچا ہر سُو
کیسے وفا کی بات بنے گی تو ہرجائی میں ہرجائی

خود کو کھو کر تجھ کو پایا، کہنے کی اِک بات ہے ورنہ
اِس دُنیا میں کون کسی کا۔ کون ہُوا کِس کا سودائی

ساقی ہم دیوانوں سے ہے رونقِ محفل گرمیٔ بادہ
ہم نے خوں کے آنسو رو کر میخانے میں جوت جگائی

بیت گیا پھر شام کا وعدہ پھیل گئے ہر سمت اندھیرے
آس کی نبضیں ڈوب چلی ہیں یاس نے لی ہے پھر انگڑائی
اُن کی نذر کریں کیا ثاقبؔ اپنے پاس دھرا ہی کیا ہے
عِشق کے غم اِحساس کے نشتر ناکامی اور دردِ جُدائی

○

بہاروں میں گلوں کو چاکِ داماں ہم نے دیکھا ہے
مسرّت کے جلو میں غم کا ساماں ہم نے دیکھا ہے
خُدارا اپنے گیسوئے پریشاں کو یہ سمجھا دے
پریشاں کرنے والوں کو پریشاں ہم نے دیکھا ہے

ہمیں معلوم ہے بدلے ہوئے ہیں وقت کے تیور
مزاجِ آب و گل کو شعلہ افشاں ہم نے دیکھا ہے
یہ آنسو صرف آنسو ہی نہیں دل کی ضیائیں ہیں
شبِ غم اِن سے پلکوں پر چراغاں ہم نے دیکھا ہے

جنھیں توفیق ہے غم کو مسرّت سے بدلنے کی
اِن آنکھوں سے انھیں بھی غم بداماں ہم نے دیکھا ہے
وہی ہے اصطلاحِ مے کشاں میں رُوحِ مے خانہ
تری آنکھوں میں جس مستی کو رقصاں ہم نے دیکھا ہے

حیاتِ عشق میں داغِ تمنّا سے ہے رنگینی
اِسی سے دِل کا ویرانہ گلستاں ہم نے دیکھا ہے
تصوّر کی یہ تیرے کارفرمائی ارے توبہ
سکُوتِ شامِ ہجراں کو غزل خواں ہم نے دیکھا ہے

سفینوں کے بھروسے پر خُدا کو بھُولنے والو
سفینوں کو تو ہوتے نذرِ طوفاں ہم نے دیکھا ہے

اُن آنکھوں میں خزاں اَب جاودانی ہوگئی ثاقب
جن آنکھوں سے کبھی جشنِ بہاراں ہم نے دیکھا ہے

غموں سے دل کو بہلاتا رہا ہوں — محبّت کے مزے پاتا رہا ہوں
وفا کے زمزمے گاتا رہا ہوں — تری محفل کو گرماتا رہا ہوں

مجھے ترغیبِ دُنیا دینے والے — میں اِن راہوں سے کتراتا رہا ہوں
مری نظریں بھٹکتیں اَور جلوے کِسی کے — سرِ طُورِ وفا جاتا رہا ہوں

وُہ جلووں کی جھلک دیتے رہے ہیں — مگر میں غش پہ غش کھاتا رہا ہوں
وُہ آتے ہیں، وُہ آئے، آگئے، وُہ — دلِ ناداں کو سمجھاتا رہا ہوں

پیمبر بن کے گمراہوں کو تیرے — وفا کی راہ پر لاتا رہا ہوں
بحمد اللہ سازِ موت پر بھی — ترانے زیست کے گاتا رہا ہوں

تجلّی گاہِ عالم میں بہ ہر سُو　　نظر کا جال پھیلاتا رہا ہُوں
خوشی میں، غم میں، زنداں میں، سرِ دار　　ترا افسانہ دُہراتا رہا ہُوں

میں اَے ثاقبؔ ہمیشہ دُشمنوں سے
فریبِ دوستی کھاتا رہا ہُوں

○

مطرب کوئی ترانۂ نغم آفریں سُنا
افسردگیٔ عشق کو پھر آج دے ہوا
دار و رسن خموش ہیں بربطِ فنا کو چھیڑ
شایانِ عشق کوئی نیا حشر کر بپا

اِس سیر گاہِ زیست میں جس سمت رُخ کیا
پہرہ لگا ہُوا تھا کِسی کے خیال کا
رُسوا ازل سے ہے یُونہی رُسوائیوں کا نام
کوئی کِسی کے عشق میں رُسوا نہ ہو سکا

روٹھی ہوئی صدائیں وہ تجدیدِ التفات
وہ لطفِ سرگراں مجھے پھر یاد آ گیا
یہ بھی ہوا کہ اپنے تصور میں ہو کے غرق
دیکھی ہے میں نے آپ کی تصویر بارہا

لِلّٰہ ذکرِ عہدِ وفا پھر نہ چھیڑنا
ثاقب ہمارا دل ہے بہت ہی دکھا ہوا

قلب و جگر کو غم کے سہارے نہیں رہے
شاید ہم اُن کے اور وہ ہمارے نہیں رہے
یہ کس نے لوٹ لیں مرے اشکوں کی تابشیں
پلکوں پر اب وہ چاند ستارے نہیں رہے

ذوقِ طرب ہجومِ بہاراں نشاطِ گل
مرغوب تھے انھیں جو نظارے نہیں رہے

تنگ آ کے ہم نے خود ہی سفینہ ڈبو لیا
طوفاں میں اب وُہ زور وُہ دھالے نہیں رہے

گریۂ کشاں ہے رونقِ لیلائے زندگی
ثاقبؔ وُہ شوخ و شنگ اشالے نہیں رہے

○

جنوں سے سیکھ کے آدابِ آگہی میں نے
خرد سے چھین لیا ذوقِ بندگی میں نے
خوشا وہ جشنِ شرابِ خلوصِ قلب و نظر
کس اہتمام سے لی مول دشمنی میں نے

سوال جب بھی اٹھا تیری راہ تکنے کا
سحر کے تارے سے کی ہے برابری میں نے
ترے خیال کی رنگینیاں ارے توبہ
تمام رات بہاروں میں کاٹ دی میں نے

غمِ زمانہ کی آنکھوں میں ڈال کر آنکھیں
تِری جفا سے نباہی ہے دوستی میں نے
تِری نظر کے بدلتے ہی اِس زمانے میں
ہر ایک چیز کو پایا ہے اجنبی میں نے

ترے فراق کی مایوسیوں کی شہ پا کر
کبھی کبھی تو ہر اِک آس توڑ دی میں نے
جفا تو خیر سوالِ وفائے حُسن پہ بھی
تِرا ہی نام لیا ہے ہنسی خوشی میں نے

ترے تصوّرِ روشن سے مانگ کر کرنیں
شبِ فراق کی دھو لی ہے تیرگی میں نے
کہیں یہ راز نہ پا جائیں تیری آمد کا
تمام رات نہ تاروں سے بات کی میں نے

اجل کو میں بھلا خاطر میں لاؤں گا ثاقب
کہ بارِ زیست اُٹھایا ہنسی خوشی میں نے

ہجر میں حسرتِ ناکام نے دم توڑ دیا
زہرِ آغاز سے انجام نے دم توڑ دیا
مژدہ اے عشق کہ زنجیرِ عناصر ٹوٹی
اک ترے کشتۂ آلام نے دم توڑ دیا

تلخ کامانِ محبت تو ابھی تشنہ تھے
تلخیِ گردشِ ایام نے دم توڑ دیا
پیرِ مے خانہ دہائی کہ خرد کے ہاتھوں
میرے میخانۂ الہام نے دم توڑ دیا

خوگرِ گردشِ ایام تھے ہم اے ساقی
ایک گردش میں ترے جام نے دم توڑ دیا
اُن کے قدموں پہ جبیں رکھ کے ہوا کوئی خموش
سرِ مے خانہ مے آشام نے دم توڑ دیا

مرتے مرتے بھی ترا نام تھا ہونٹوں پہ مگر
آخر اس کوششِ ناکام نے دم توڑ دیا
کوئی اُس حسنِ ستم کیش سے کہہ دے ثاقبؔ
آپ کے بندۂ بے دام نے دم توڑ دیا

اگر یہی روز و شب رہیں گے عجیب رنگِ بہار ہوگا
کلی کلی سوگوار ہوگی، چمن چمن اشکبار ہوگا
مجھے نظر آ رہی ہیں اب تک جبینِ چرخِ کہن پہ شکنیں
ترے غریبوں کے حق میں یارب یہ دور کب سازگار ہوگا

جو میں کہوں ترکِ آرزو کو تو کون مانے گا بات میری
جو تم کرو گے وفا کی باتیں بھلا کسے اعتبار ہوگا
مری مسرت کا رازِ پنہاں اِسی فریبِ یقین میں ہے
بلا سے تو آئے یا نہ آئے مجھے ترا انتظار ہوگا

جفا کے بدلے وفا کی دُھن میں یہ جان اک روز ختم ہو گی
مگر جہانِ وفا میں ثاقبؔ ہمارا دم شاہکار ہو گا

کہاں محبت کی اب وہ رسمیں کہاں وہ اُلفت بھرے ترانے
سکونِ دل اب کہاں میسر، سکونِ دل کے گئے زمانے
مجھے کہاں دشمنوں سے شکوہ میں کشتۂ التفاتِ دوستاں ہوں
جفا کو توفیق وہ کہاں ہے جو گِر سکے دیدۂ وفا سے

میں مطربِ نَو کی نغمہ ریزی سے جھوم اُٹھوں کہاں ہے ممکن
میں جانتا ہوں کہ ساز ہیں گو نئے مگر راگ ہیں پرانے
نہ اعتبارِ کرم مکمل نہ اعتمادِ ستم دوامی
یہاں محبت، وہاں محبت، یہاں بہانے وہاں بہانے

مری عقیدت پرستشوں کی حدوں سے گزرا ہی چاہتی تھی
مگر بڑے زور سے پکارا تری جفا نے وفا نما نے

خزاں کی رُت کا بہار کے خوشگوار موسم میں ذکر کیسا
وہاں سے سازِ الم اُٹھا دو جہاں دھمکتے ہوں شادیانے

تو وُہ بھی آتے ہیں پُرسشِ غم کو انتہائے کرم ہے ثاقبؔ
کہ ضبطِ غم کو بدل دیا ہے جمُود سے جب مرے خدا نے

○

رُخِ جنوں پہ ضیائے قرار کیا کہنا
سکُونِ خاطرِ سیماب وار کیا کہنا
لپٹ لپٹ گیا ذرّوں سے نُورِ بینائی
وُہ انتظارِ سرِ رہگذار کیا کہنا

اُجڑ نہ جائے کہیں بزمِ اعتمادِ حیات
نفس نفس میں یہ برق و شرار کیا کہنا
شبِ فراق ستاروں کے دل لرز اُٹھے
اذیّتِ دلِ بے اختیار کیا کہنا

جمودِ فکر و نظر کا جمود ارے توبہ
خرد کی موت جنوں کا مزار کیا کہنا
تمہاری یاد بھی پہروں کے بعد آئی ہے
نوازشاتِ غمِ روزگار کیا کہنا

اُلجھ اُلجھ گئے پھولوں سے بار ہا کانٹے
یہ اہتمامِ فریبِ بہار کیا کہنا
یہ خود فریبیاں، یہ خوش گمانیاں ثاقبؔ
کہ وُہ بھی ہوں گے یُونہی بے قرار کیا کہنا

○

بلند از خدشۂ دورِ غمِ ایّام رہتا تھا
مرے ہونٹوں پہ جن راتوں میں تیرا نام رہتا تھا
وہیں زہّاد نے مِل جُل کے مسجد کی بنا رکھ دی
جہاں ہر شام اِک جشنِ صلائے عام رہتا تھا

جنوں کی پختگی کے اوّلیں لمحے بھی کیا شے تھے
کہ جب آغاز میں اندیشۂ انجام رہتا تھا
مجھے بھی ایک دن یاروں سے تھی اُمیدِ دلداری
مرے لب پر بھی اکثر دوستوں کا نام رہتا تھا

حرم والوں نے چُوما اُس کے مَے آلودہ دامن کو
وُہ اِک مَے کش جو میخانے میں صبح و شام رہتا تھا
شہیدِ مَے کدہ نے کِس جگہ لی آخری ہچکی
یہاں سے میکدہ کا در تو بس اِک گام رہتا تھا

وُہ خوش بختی سے میخواروں کی سجدہ گاہ ہے ساقی
کہ جِس کُوچے میں تیرا ثاقبِ بدنام رہتا تھا

○

مثالِ رنگِ چمن ہے مزاجِ عشق و جنُوں
کہ پائمالِ فراق اب ہیں بے قرارِ سکُوں

نہ جانے کیا نگہِ اوّلیں کے بعد ہُوا
وُہ داستانِ الم یاد ہو اگر تو کہوں

خرد سے پھر کوئی لغزش حضورِ حُسن ہوئی
جو تلملائے سے بیٹھے ہیں آج اہلِ جنوں
خیالِ زُلف و رُخِ یار کا تقاضا ہے
دیارِ حُسن کے شام و سحر کا ذکر کروں

مُجھے تو ہو نہ سکی جرأتِ بیانِ فراق
نگاہِ ناز میں تھا وُہ پیمبرانہ فسوں
ترے تغافلِ پیہم سے اُس مقام پہ ہُوں
کہ مُسکرا نہ سکوں اَشکِ غم بہا نہ سکوں

مجھے خبر نہیں یارانِ بزم کہتے ہیں
کہ اَب میں شام و سحر کچھ اُداس رہتا ہُوں
تجھے تو مِل گئی توفیق بے وفائی کی
مرے لئے بھی دُعا مانگ کوئی کام کروں

شعورِ عشق مکمّل ہے اِن دنوں ثاقبؔ
نہ بھولتا ہُوں اُنہیں اور نہ یاد کرتا ہُوں

کبھی اشکوں سے خالی دیدۂ پُرنم نہیں ہوتے
مرے گنجینۂ دِل میں یہ موتی کم نہیں ہوتے
ابھی ذوقِ اذیّت جانے کیا کیا گُل کھلائے گا
ہمیں اُن سے شکایت ہے کہ وُہ برہم نہیں ہوتے

نیاز و ناز میں پہلے پہل کی شدّتیں توبہ
ارادے آتشیں ہوتے ہیں جب محکم نہیں ہوتے

ملا کر اشک پیتے ہیں مسرّت ریز بادہ میں
وفورِ عیش میں ہم بے نیازِ غم نہیں ہوتے

کسی کا نام اب بھی خود ہی آجاتا ہے ہونٹوں پہ
جو دِل پہ نقش ہوتے ہیں کبھی مدھم نہیں ہوتے

کوئی دیکھے تصوّر میں جسارت کاریاں اپنی
تمہارے سامنے آکر تو گویا ہم نہیں ہوتے

اُنہی کے دم سے قائم ہے وقارِ بے خودی ثاقبؔ
وُہ دیوانے میسّر جن کو "جامِ جم" نہیں ہوتے

○

عطا کیا ہے تجھے خدا نے بلند کیسا مقام ساقی!
کہ تیرے ساغر کی ایک گردش ہے گردشِ صبح و شام ساقی
پلا ثواب و گنہ کی آلائشوں کو بالائے طاق رکھ کر
کہ ہم ہیں ایسے قلندروں میں ہے جن پہ دوزخ حرام ساقی

تری نظر کے ہر اِک اشارے پہ وقت کروٹ بدل رہا ہے
یہ مست جھونکے ہیں یا فلک سے کچھ آرہے ہیں پیام ساقی
کہیں ہے نغمہ کہیں مغنّی کہیں ہے نکہت کہیں تجلّی
شباب سی شے کی آمد میں اِس قدر اہتمام ساقی

صُراحیاں بے نصیبِ بادہ نہ رنگِ محفل نہ کچھ ارادہ
اگر یہی تیرا مَے کدہ ہے تو میکدے کو سلام ساقی

چلو بھی بس ہو چکی ندامت ذرا اِسی تمکنت میں آؤ
کہ اِس توجّہ سے مِٹتا جاتا ہے حُسن کا اِحترام ساقی

وُہ ہم ہیں جن کا طریق و مسلک نہیں ہے کچھ بھی سوائے اُلفت
ہم ایسے رندانِ پارسا کا ہے پیشوا اور امام ساقی

زباں زدِ عام ہیں فسانے بہت تِری دستگیریوں کے
ہزار گرتوں کو تُو نے تھاما ہے میں چلا مجھ کو تھام ساقی

اِسی طرح مست مست آنکھوں سے اپنے ثاقبؔ کو دیکھتا رہ
کہ تیرے اِن میکدوں سے قائم ہے دو جہاں کا نظام ساقی

○

خرد کی گتھیاں سلجھا رہا ہوں — جنوں کی سمت بڑھتا آ رہا ہوں
اُنہیں دل دے کے اب پچھتا رہا ہوں — سزا اپنے کیے کی پا رہا ہوں

بہ رنگِ آہ پھولوں سے نکل کر — دھواں بن کر چمن پر چھا رہا ہوں
چمن بنتے ہیں جو آہِ رسا سے — وہی آتش کدے بھڑکا رہا ہوں

جہاں گل بلبلیں تھیں نغمہ افشاں — عقابوں کے نشیمن پا رہا ہوں
کبھی شرمائے تھے مجھ سے دو عالم — اب اپنے آپ سے شرما رہا ہوں

وفا میں معتبر ہے حسن یا عشق — اسی میں مدتوں الجھا رہا ہوں
وہی میں ہوں وہی ماضی کی باتیں — پرانی گتھیاں سلجھا رہا ہوں

میرا پیمانۂ ہستی نہ پوچھو — کبھی قطرہ کبھی دریا رہا ہوں
کہاں لے آیا مجھ کو جذبِ پرواز — فضائیں ہی فضائیں پا رہا ہوں

مجھے رخصت کریں رندانِ مے نوش — کہ میں اس میکدے سے جا رہا ہوں

جنہیں ثاقب مہارت ہے وفا میں
میں اُن احباب سے کترا رہا ہوں

○

جب غم میں ہو لطفِ عیش نہاں پھر غم کا مداوا کون کرے
بے زار ہو دِل جب جینے سے جینے کی تمنّا کون کرے
وُہ دیکھتی آنکھوں محفِل سے لو آنکھ بچا کر چل نِکلے
امروز کا جب یہ عالم ہے فردا پہ بھروسا کون کرے

وُہ ظُلم پہ جب پچھتائیں گے آنسُو تو ٹھہر ہی جائیں گے
جو آگ سلگتی ہے دل میں اُس آگ کو ٹھنڈا کون کرے
موت اُن کی آمد آمد کے ہنگامے ہی میں آپہنچی
اَب اُن سے بھلا جلد آنے کا بالیں پہ تقاضا کون کرے

اُلفت کا اثر اُس سمت بھی ہے سُنتا ہوں کہ روتے کٹتی ہے
اچھّا ہے جو اِتنا درد تو پھر اس درد کو اچھّا کون کرے
بادل کی گرج میں کوئل کی کُوکُو بھی رسیلی ہوتی ہے
اِس مدھ بھرے سُندر موسم میں تنہائی گوارا کون کرے

ہر گُل کے بدن میں کانٹا ہے ہر دوست میں پوشیدہ دشمن
دنیا کے نتائج دیکھ چکے اب خواہشِ دنیا کون کرے

ہم اُن کو اپنا جانتے ہیں وہ غیر کو کہتے ہیں اپنا
بس اتنی سی لغزش پہ ثاقبؔ اپنے کو پرایا کون کرے

○

رات کو پچھلے پہر جب اشک برساتا ہے دِل
اشک کے ہر ایک قطرے میں نظر آتا ہے دِل

صبح تک شاید نہ میں ہُوں اور نہ یہ سازِ حیات
ڈوبتے جاتے ہیں تارے بیٹھتا جاتا ہے دِل

وہ تبسم آفریں چہروں سے کھائے ہیں فریب
جب کوئی بے ساختہ ہنستا ہے بھر آتا ہے دِل

حُسن واقف ہے نہ اہلِ عشق کو اِس کی خبر
کِس طرح اِک اجنبی صورت پہ آجاتا ہے دِل

تھا کبھی میری نگاہوں میں وفا کا اِک مقام
اَب وفا کا نام سُن کر ڈُوب سا جاتا ہے دل
عِشق کی کشتی کا ساحِل سے بھلا کیا واسطہ
کھاتا جاتا ہے تھپیڑے جھُومتا جاتا ہے دِل

دُور ہوتا ہوں تو رہتی ہے نگاہوں کو تلاش
حُسن کے نزدیک جاتا ہُوں تو گھبراتا ہے دِل
ہر قدم پر مشکلیں ہیں عِشقِ غیرت مند کو
جُرم کرتی ہیں نگاہیں اَور شرماتا ہے دِل

شام سے یُوں صُبح کرتا ہُوں فراقِ دوست میں
دِل کو سمجھاتا ہُوں میں اَور مجھ کو سمجھاتا ہے دل
عِشق میں ثاقبؔ نِگاہیں تو عبث بدنام ہیں
ہم نے دیکھا ہے نظر سے پیشتر آتا ہے دِل

زندگی کا بار جب ہنس کر اُٹھا سکتا ہُوں میں
موت کی تلخی کو کب خاطر میں لا سکتا ہوں میں

جُرعہ جُرعہ مے کدے میں پینے والے آ اِدھر
خانہ سازِ عشق کے دریا لنڈھا سکتا ہُوں میں

اُن کو یہ قدرت کہ ہنس ہنس کر رُلا سکتے ہیں وُہ
مجھ کو یہ توفیق رو رو کر ہنسا سکتا ہُوں میں

نوچ سکتا ہُوں ستارے توڑ سکتا ہُوں شہاب
خاک پر گردُوں کی پیشانی جُھکا سکتا ہُوں میں

منتظر ہے جس کا گردُوں مقتضی ہے جس کا وقت
وُہ تماشا بھی زمانے کو دِکھا سکتا ہُوں میں

اپنے معیارِ طبیعت سے مِری فِطرت نہ ناپ
اِنتہائے یاس میں بھی مُسکرا سکتا ہُوں میں

موت کو جب دے نہیں سکتے مِرے آنسو خراج
کیا قصیدے نے کے دربار وں میں جا سکتا ہُوں میں
جن کو ثاقبؔ ساتھ لایا ہے یہ دَورِ انقلاب
ایسی لاکھوں ظلمتوں کو جگمگا سکتا ہُوں میں

○

دیکھ آئے جُرأت و توفیقِ رندانہ ذرا
کوئی لے جائے خرد کو تا بہ میخانہ ذرا
غم نہ گھٹ جائے کہیں یہ درد ہو جائے نہ کم
اِک نگاہِ حشر زا، بے اِختیارانہ ذرا

لب پہ طُوفانِ تبسّم، دل میں طُوفانِ الم
کوئی دیکھے تو مِرا یہ رنگِ مستانہ ذرا
عِشق کو تسلیم عُذرِ اِحتیاط و مصلحت
ہم مگر رکھتے ہیں اِک ذوقِ جُداگانہ ذرا

دامنِ دل تھام ہی لیتے ہیں یہ دیر و حرم
اِن مقاماتِ خرد سے ہوشیارانہ ذرا

ماند پڑ جانے کو ہے نورِ سرورِ تشنگی
جانِ میخانہ ہٹا لے جام و پیمانہ ذرا

ہم بھی ثاقبؔ دیکھنے والی نظر رکھتے تو ہیں
سامنے آکر تو دیکھے حسنِ جانانہ ذرا

گذارشِ نگہِ التفات کیا کیجے — خودی کی موت کے بل پر حیات کیا کیجے
نیازِ حسن سے مجذوبِ عشق کیا آگاہ — خدا کے بعد خدائی کی بات کیا کیجے

رُخِ حیات پلٹنا ہی جب نہیں ممکن — یقینِ شعبدۂ معجزات کیا کیجے
لہو رُلا کے ہی گذرا یہ دن گذر تو گیا — مگر یہ ڈستی ہوئی چاندرات کیا کیجے

نظر نظر میں چٹانوں کی عظمتیں ثاقبؔ
شناورانِ محبت کی بات کیا کیجے

مِری منزل کا حاصل اَور کیا تھا — کہ ہر رستے میں تیرا نقشِ پا تھا
جہاں تیری طلب میں ہم مِٹے تھے — وہیں اِک نقش پیدا ہو گیا تھا

اُسی سے حالِ دِل کہتے تو کہتے — وُہی نا آشنا اِک آشنا تھا
نگاہوں کا تصادم اللہ اللہ — زمانہ چُپ تھا اَور دِل بولتا تھا

یہاں بکھریں فسانے ہی فسانے — حقیقت کا تقاضا اَور کیا تھا
وفا کا حق ادا کب ہم سے ہوتا — کرم دراصل یہ بھی آپ کا تھا

بظاہر ہم نہ تھے شاکی کسی سے — مگر دِل میں بہت کچھ ماجرا تھا

نظر کیوں پھیر لی اَے جانِ ثاقبؔ
اُسے تو بس ترا ہی آسرا تھا

نظر بِلا نہ سکیں گردشیں زمانے کی
ہجُومِ غم میں ادا سیکھ مسکرانے کی
جو تو نے دُرد سمجھ کر بچا کے رکھ لی ہے
وُہی تو چیز تھی ساقی ہمیں پلانے کی

بجا کہ برق کا کھٹکا نہ خوفِ باد مگر
قفس میں بات کہاں پھر بھی آشیانے کی
میں کائنات پہ اِس رُخ سے غور کرتا ہوں
کہاں تک اِس میں ہے وسعت مرے سمانے کی

جو خاک پر ہے پڑا رندِ بے نوا ثاقبؔ
مچل پڑے تو ہو برہم فضا زمانے کی

شراب و نغمہ و حُسنِ جواں سے کھیل چُکا
میں اِس زمین سے اِس آسماں سے کھیل چُکا
مری نظر کے لیئے آسماں نئے لاؤ
میں اِن ستاروں سے اس کہکشاں سے کھیل چُکا

نشاط اُس کو سزاوار ہے زمانے میں
جو ہر قدم پہ غمِ ناگہاں سے کھیل چُکا
بساطِ عشق پہ ہُوں اور یہ نہیں معلُوم
کہاں سے کھیل رہا ہُوں کہاں سے کھیل چُکا

فضائیں ہیں تری پرواز کے لیئے کافی
چمن پرست بہت آشیاں سے کھیل چُکا
بنا ہوا ہے مغنّی کے لب پہ اب فریاد
جو زمزمہ لبِ جُوئے رواں سے کھیل چُکا

زیان و سُودِ محبّت اُسی پہ روشن ہیں
جو وصل و ہجر کے سُود و زیاں سے کھیل چُکا
مِری نظر میں ہیں ثاقبؔ فرازِ مستقبل
بہت و توں غمِ عمرِ رواں سے کھیل چُکا

رات وُہ آئے راج دُلارے — مُشک بکھیرے زُلف سنوارے
نقری لَے اللہ رے تاثّر — جھُوم اُٹھے آکاش پہ تارے

شوق نے لاکھوں جال بچھائے — رُک نہ سکے اوقات کے دھارے
آگے تمُہارا ذوقِ طبیعت — یہ ہے طُوفاں وُہ ہیں کنارے

صبحِ اُمید و وعدۂ فردا — جینے کے دلچسپ سہارے
ثاقبؔ اِن دُنیا والوں نے
کب اَور کِس کے کاج سنوارے

کِس نے یہ اِک نگاہِ ناز ڈالی اِس اِہتمام سے
خود ہی لپٹ لپٹ گئی مینا ہر ایک جام سے
دِل جو ہنسا میں رو دیا میں جو ہنسا یہ رو پڑا
تا بہ سحر یُونہی رہا سلسلہ التزام سے

کب ہیں خرد کے بس کا روگ عشق و جنُوں کی اُلجھنیں
عزم، خیالِ خام سے، حوصلے ناتمام سے
میرے نصیبِ عشق کو حُسن سے کیا نہیں ملا
طعنے جگر خراش سے وعدے برائے نام سے

دل پہ کِسی کے ذِکر سے آتی ہے یُوں شگفتگی
جیسے کلی چٹک اُٹھے بادِ صبا کے نام سے
زائچۂ غمِ حیات کچھ نہ بتا سکا مجھے
جاتا ہُوں کِس مقام کو آیا ہُوں کِس مقام سے

جنبشِ چشمِ حُسن تک عشق کے سارے ولولے
حُسن کی تابناکیاں عشق کے احترام سے
عیش تو اِک طرف رہا غم نہ ملا بقدرِ ظرف
پُوری طرح نہ صبح بھی بدلی ہماری شام سے

فطرتِ حُسن کھول کر تاقبِ خود فریب پر
کوئی اُسے نکال دے مہر و وفا کے دام سے

○

کمالِ محبت سے کیا ہو گئے ہم — تھے محدُود بے اِنتہا ہو گئے ہم
کِسی کے شہیدِ جفا ہو گئے ہم — یہ کیا ہو گیا ہے یہ کیا ہو گئے ہم

چھُپائیں مگر کِس طرح سے چھپائیں — ترے راز سے آشنا ہو گئے ہم
کبھی حُسن کو عشق بننا نہ آیا — یہ کِس آرزو میں فنا ہو گئے ہم

اُٹھا لو بساطِ محبت اُٹھا لو — محبّت سے عہدہ برآ ہو گئے ہم

ابھی ہوش آنے نہ پایا تھا ثاقبؔ
غمِ عشق میں مبتلا ہو گئے ہم

○

بدل ڈالا ہے پھر موسم نے تنظیمِ گلستاں کو
چلی ہیں ٹولیاں بن بن کے رندوں کی بیاباں کو
خزاں رخصت ہوئی چھلکا ہر اِک غنچہ کا پیمانہ
پیامِ عیش آیا پھر دلِ حسرت بداماں کو

یہ کِس مستِ جوانی نے نقابِ ناز کو اُلٹا
گھٹا کی اوٹ لینا پڑ گئی ماہِ درخشاں کو
ہے اِک اِک چوکھٹے میں ایک اِک تصویرِ مایوسی
کوئی دیکھے تو اِس آئینۂ شہرِ خموشاں کو

بہار آئی ہر اِک غنچہ نے رنگیں پیرہن بدلا
جنوں پھر ناپنے آیا ہے میرے جیب و داماں کو

غرور و ناز سے میرے خطوں کو پھینکنے والو
کبھی تعویذ سمجھو گے اِن اَوراقِ پریشاں کو

سمجھتا ہُوں میں ثاقبؔ موت ہے انجام جینے کا
نہیں تعبیر کی حاجت مِرے خوابِ پریشاں کو

چڑھتے سُورج کی کرنوں کو پھینک دیا ہے کِس نے مسل کے
کِس کے قدم سے پھُوٹ بہے ہیں نُور کے سوتے ہلکے ہلکے
پینے سے اِنکار کِسے ہے پینا تو ایمان ہے اپنا
پر وُہ خانہ ساز پئیں گے جو اُس مست نظر سے چھلکے

ساون کی بدمست پھُواروں نے کچھ ایسی جوت جگائی
ذہن سے غم یُوں اُترا جیسے حسُن کے سر سے آنچل ڈھلکے
قلب و نظر کو ڈس لیتی ہے اَن دیکھے غنچوں کی چٹک بھی
اَے پھُولوں کے راج دُلارے سوچ سمجھ کر خُوب سنبھل کے

ہائے مقدر اُن اشکوں کا جو برہن کی ڈھیر بندھائیں
جو ساجن کا جشن منائے والے نیارے اُس کاجل کے

میرے لئے بیتاب رہے ہو میرے لئے آنکھیں برسی ہیں
صاف دیئے دیتے ہیں گواہی بھیگے بھیگے بل آنچل کے

ساغرؔ کے پرتو میں ہو گی ثاقبؔ کی توحید پرستی
لطف رہے گر دیکھیں تماشا رند سبھی میخانے چل کے

○

اِک روشنی سی حدِّ نظر دیکھتے تو ہیں — اُٹھتی ہے کب نقابِ سحر دیکھتے تو ہیں
زُلفِ سیاہ تا بہ کمر دیکھتے تو ہیں — تاریکیوں میں خوابِ سحر دیکھتے تو ہیں

مایُوسیوں نے لُوٹ لئے خوابِ آرزُو — اُٹھ اُٹھ کے پھر بھی جانبِ در دیکھتے تو ہیں
دامانِ لُطف غیر پہ ہے غیر پر رہے — مجھ کو یہ کم نہیں وُہ اِدھر دیکھتے تو ہیں

دیکھیں کب آئے نظمِ محبت میں اِنقلاب — اِک کش مکش سی شام و سحر دیکھتے تو ہیں

کیا کم ہے یہ عنایتِ کیفِ نگاہِ دوست
ہم جس طرف ہیں لوگ اُدھر دیکھتے تو ہیں

دستِ کرم بڑھے نہ بڑھے یہ رہا نصیب
تجھ کو گدائے راہ گزر دیکھتے تو ہیں
آنکھوں کو پھر یہ اشک بھی شاید نہ ہوں نصیب
رو رو کے تجھ کو وقتِ سفر دیکھتے تو ہیں

محدود کب ہے حُسن حدودِ نگاہ میں
یُوں دیکھنے کو اہلِ نظر دیکھتے تو ہیں
ممکن ہے اَب وُہ جانِ تغافل بھی آ ہی جائے
ثاقبؔ دُعا میں رنگِ اثر دیکھتے تو ہیں

نظر اُن کی حریفِ نشّۂ صہبا نہ ہو جائے
کہیں ویران بزمِ ساغر و مینا نہ ہو جائے
ہیں میرے اشکِ غم میں ضبط کے سِمٹے ہوئے طُوفاں
میں ڈرتا ہُوں یہ قطرہ ٹوٹ کر دریا نہ ہو جائے

نظر افسانہ بنتی جا رہی ہے ڈر رہا ہُوں مَیں
زمانے میں کسی کا رازِ غم افشا نہ ہو جائے

نگاہِ ملتفت سے میری جانب دیکھنے والے
کہیں پھر دل میں حشرِ آرزو برپا نہ ہو جائے

کوئی اِنساں سجُودِ عشق کے قابِل نہیں ہوتا
خُدا کا جب تلک اِنسان پر دھوکا نہ ہو جائے
جنُونِ شوق لے آیا ہے مجُھ کو اُن منازل میں
پہنچ کر جس جگہ ہر آشنا بے گانہ ہو جائے

زمانہ سے تِری رُودادِ اُلفت کہتے ڈرتا ہُوں
کہ تیرا آستانہ مرکزِ دُنیا نہ ہو جائے
تمہاری انجمن میں لاکھ فرزانے سہی لیکن
جسے تم ہنس کے دیوانہ کہو دیوانہ ہو جائے

ازل سے زندگی اِس شرط پر لائی مجُھے ثاقبؔ
کہ دُنیا میں رہے آلودۂ دُنیا نہ ہو جائے

آنکھوں سے لاکھ خوُن کے طوُفاں اُٹھائیے
لیکن نہ اہلِ دھر کے اِحساں اُٹھائیے
اُلفت کی قید و بند پہ آزادیاں نثار
رہ کر قفس میں لُطفِ بہاراں اُٹھائیے

تاریکیٔ حیات کو درکار ہے سحر
اپنی جبیں سے زُلفِ پریشاں اُٹھائیے
اِس زندگی پہ موت کو ترجیح کیوں نہ دیں
کیوں اِتّہامِ خوابِ پریشاں اُٹھائیے

آپ آنسوؤں میں غرق نظر آئیں گے مجھے
کہئے نہ مجھ سے دیدۂ گریاں اُٹھائیے
پروانہ بھی شہید گُل و غنچہ بھی شہید
کس کس جگہ سے خاکِ شہیداں اُٹھائیے

بطنِ زمیں میں سینکڑوں خورشید ہیں نہاں
کیوں دل سے اپنے عظمتِ اِنساں اُٹھائیے
ہے اِس قدر تو آپ کو جلووں پہ اِختیار
ہنستے ہوؤں کو اشک بداماں اُٹھائیے

ہے اِن میں جذبِ خونِ شہیداں جستجو
پلکوں سے جُھک کے خارِ مغیلاں اُٹھائیے
اِک بار اور دیجئے اِذنِ حیات شوق
اِک بار پھر نگاہِ پشیماں اُٹھائیے

ہر موسمِ بہار گزرتا ہے اشک بار
کِس حوصلہ پہ نازِ گلستاں اُٹھائیے
ثاقبؔ کی ہست و بود کا ہوتا ہے فیصلہ
ہاں پھر نگاہِ حشر بداماں اُٹھائیے

خمارِ بادۂ تقدیسِ آبرُو ٹُوٹا فریبِ تمکنتِ حُسنِ آرزُو ٹُوٹا
کلی کلی نے گریبان چاک کر ڈالا جُونہی طلسمِ چمن زارِ رنگ و بُو ٹُوٹا

نچوڑ لے کوئی رگ رگ سے زندگی کی شراب کُچھ اِس خلوص سے پیمانِ گفتگو ٹُوٹا
بہت عمیق تھی فکر و نظر کی گہرائی بہت ہی دیر میں ہنگامِ ہاؤ ہُو ٹُوٹا

نیاز و ناز کی تفریق اُٹھنے والی تھی کہاں پہنچ کے مرا عزمِ جستجو ٹُوٹا
تمہیں حیات کی نس نس میں جذب کر لُونگا بڑے ہی کرب سے یہ زعمِ گرمِ خُو ٹُوٹا

اُٹھا کُچھ اِس طرح ثاقبؔ حجابِ خوش فہمی
دِلِ و نظر کا ہر ارمانِ جُستجو ٹُوٹا

جہاں حیات کے تیور نظر سے گزریں گے
ہمارے ساتھ چلو ہم اُدھر سے گزریں گے
خزاں گزیدۂ گلستاں نظر براہ رہے
بہار ساتھ لئے وُہ اِدھر سے گزریں گے

ہُوئے تھے سجدہ کناں جس جگہ بنامِ جنوں
بزعمِ ہوش اب اُس رہگزر سے گزریں گے
بڑھاؤ اب نہ بہت آب میرے اشکوں کی
یہ تیر بھی مِرے قلب و نظر سے گزریں گے

یہی اُمیدِ کرم ہے تو دیکھنا ثاقبؔ
ہزار یاس کے طوُفان سر سے گزریں گے

جہاں رستہ دکھانے رہرووں کو راہبر آئے
بحمداللہ اب ہم اُن منازل سے گذر آئے
کسے منزل ملی ہے نقشِ منزل کب نظر آئے
ہزاروں راہزن نکلے ہزاروں راہبر آئے

مری تقدیر اور اُن کا ارادہ ایک ہیں دونوں
اُنہیں کس طرح روکے گا زمانہ وہ اگر آئے
نہ جانے کس قیامت کا فسوں تھا اُن کی محفل میں
جو اُٹھے بے خبر اُٹھے جو آئے بے خبر آئے

کہا جاتا ہے دل کی ہے رسائی عرشِ اعظم تک
لبوں پہ کیوں فقیروں کے دعائے بے اثر آئے
مری نظروں میں اب تک ہیں ترے جلووں کے ہنگامے
مری نظروں میں کیونکر عظمتِ شمس و قمر آئے

وقارِ عشق کو خود اضطرابِ عشق نے ڈُوبا
نہ آنا چاہتے تھے بزم میں تیری مگر آئے

ازل کے دن سے ثاقبؔ ہم وُہ فطرت لے کے آئے ہیں
عدو کو رنج پہنچے اَور ہماری آنکھ بھر آئے

مَے کدے میں تِری آنکھوں کی اگر بات کریں
ہم خرابات کو کچھ اَور خرابات کریں

آ پھر آغازِ محبّت کا فسانہ چھیڑیں
آ پھر آغازِ تباہی کی کوئی بات کریں

اُلجھنیں اَور نہ بڑھ جائیں مقدّر کی مِرے
اُن سے کہہ دو نہ کنکھیوں سے اشارات کریں

غم سے ساقی نے بھی جب وقت پہ دم توڑ دیا
کیا مسرّت کے سہارے گذر اوقات کریں

شب کے تاروں کی نگاہوں میں کہاں گنجائش
آ ستاروں سے کہیں دُور ملاقات کریں

اپنے دامن میں تو نالوں کے سوا کچھ بھی نہیں
وُہ بضد ہیں کہ بپا محفلِ نغمات کریں

رنگ مے خانۂ ہستی کا بدل دیں ثاقبؔ
ہم سے دیوانے جو پابندیٔ اوقات کریں

میرِ مے خانہ ہے میں ہُوں بادۂ گُل فام ہے
اَب مِرے ساغر کی زد پر گردشِ ایام ہے

مَوت جس سے ساری دُنیا لرزہ براندام ہے
اِصطلاحِ عاشقی میں زندگی کا نام ہے

غرق خود اپنے لہُو میں آفتابِ شام ہے
کیا یہی ہر تابدار آغاز کا انجام ہے

چارہ گر مُنہ تک رہے ہیں نزع کا ہنگام ہے
زندگی کی ساری صبحوں کی یہ تنہا شام ہے
میں ابھی تک جس طرح برباد تھا برباد ہُوں
دل ابھی تک جس طرح ناکام تھا ناکام ہے

سلسلہ شام و سحر کا ختم ہے اب تیرے بعد
آ تجھے رو لُوں تو میری زندگی کی شام ہے
یاس کے عالم میں ہے اُن کا تصوّر ضَو فشاں
جلوۂ شام و سحر گویا بیک ھنگام ہے

خود کو دیکھ اَور ظرفِ ساقی دیکھ اَے شیخِ حرم!
یہ ہے میخانہ یہاں ہر دم صلائے عام ہے
تلخیٔ مے سے زیادہ تلخ تھے اپنوں کے جَور
گردشِ ایّام لیکن گردشِ ایّام ہے

فیضِ بادہ ہی نہیں ثاقب خُدا کا شُکر ہے
چشمِ ساقی کی عنایت بھی شریکِ جام ہے

دل و نظر پہ مسلّط ہے اِک سکُوں دُشمن   بدل رہی ہے محبت جنُوں کا پیراہن
بنی ہے زمزمۂ شوق قلب کی دھڑکن   یہ کِس کے پاؤں کی آہٹ ہوئی پسِ چلمن

نگاہِ شوق ہے اَور اُن کا عارضِ روشن   مچل رہی ہے دمِ صبح آئینہ پہ کرن
یہ کون حُسنِ بہاراں اِدھر سے گذرا ہے   مہک رہے ہیں ابھی تک گلُوں کے پیراہن

ترس رہا ہے جبینوں کو آستانِ جمال   کہاں گئی وُہ نیازِ وفا کی رسمِ کہن
پلٹ دیا ہے محبّت نے رُخ مقدّر کا   جبینِ حُسن پہ لیکن ابھی وُہی ہے شکن

یہ اِتفاق ہے یا معجزہ گناہوں کا   کہاں وُہ رحمتِ کامل کہاں ہیں تردامن
رہِ طلب میں کوئی کس کا اِعتبار کرے   جنُوں خرد کا مخالف، خرد جنُوں دُشمن

نظر کو شوقِ نظارہ ہے دِل میں خودداری   دِل و نگاہ کے رِشتہ میں پڑ گئی اُلجھن
وُہ آنسوؤں پہ مِرے مُسکرا دیئے ثاقبؔ
بکھر گئے مِری حدِّ نگاہ تک گلشن

○

تم عرش نشیں ہو کہ قریبِ رگِ جاں ہو
ہم خاک نشینوں کو صدا دو کہ کہاں ہو
دُنیا کے غموں پر جو ترے غم کا گماں ہو
آنسو مری آنکھوں میں نہ ہونٹوں پہ فغاں ہو

اے قافلۂ شوق کچھ اس طرح رواں ہو
منزل پہ بھی گردِ رہِ منزل کا گماں ہو
تو دُجھ کو بھی احساس نہیں اپنے زیاں کا
بے وجہ مرے حال پہ تم نوحہ کُناں ہو

شاید کہ جو مسجُودِ ملائک تھا وُہ میں ہُوں
شاید یہ جہاں میری ہی آوازِ فغاں ہو
ہر جلوۂ اسرارِ عیاں دیکھ چُکا ہُوں
تم جانے ابھی کون سے پردے میں نہاں ہو

اشکوں کی مرے داد ترے اشک نہیں ہیں
اِن قطروں کی اِتنی بھی تو قیمت نہ گراں ہو

دم ٹوٹ چلا رات کا بجھنے لگے تارے
کس آس پہ اب حضرتِ ثاقبؔ نگراں ہو

مجھ کو نگاہِ لطف کا حقدار دیکھ کر / دیکھا اِدھر اُدھر کو کئی بار دیکھ کر
محویّتِ خیال میں گم ہے جہانِ ہوش / غم سو چلا ہے شوق کو بیدار دیکھ کر

کھلتے ہی آنکھ کوچ کا نقّارہ بج گیا / گھبرا رہا ہوں قافلہ تیار دیکھ کر
اے حسن ہاں نقاب اُٹھا شوق سے مگر / لِلّٰہ ظرفِ طالبِ دیدار دیکھ کر

ہوتا ہے یہ گماں کہ آئیں گے وہ ضرور / شب بھر مہ و نجوم کو بیدار دیکھ کر
ڈرتا ہوں بزمِ دہر میں محشر بپا نہ ہو / ہم تم میں ربط و ضبط کے آثار دیکھ کر

ممکن ہے آنسوؤں میں بہا دوں نظر کا نور / چشمِ طلب کو حائلِ دیدار دیکھ کر

ثاقبؔ بس اُس جبیں کی بُلندی نہ پُوچھئے
جُھک جائے خاک پر جو درِ یار دیکھکر

○

سمٹے ہُوئے جلوے رُخ پہ نمی نظریں بھی ملانا مشکل ہے
تُم مُجھ سے چھپا لو حالتِ دل دُنیا سے چھپانا مشکل ہے
نظروں سے گرانا آساں ہے نظروں میں بسانا مشکل ہے
ذرّوں کو ضیائے دل دے کر اکسیر بنانا مشکل ہے

اے شمع ترے غم کا قِصّہ معلوم ہے ساری محفل کو
جو غم ہے ہمارے سینے میں اُس غم کا چھپانا مشکل ہے
ممکن ہی نہیں دل پر قابو جب پیار کسی کا جاگ اُٹھے
یہ شمع جلانا سہل سہی یہ شمع بجھانا مشکل ہے

دُنیا کے حوادث توڑ سکیں رُوحوں کا تعلّق ناممکن
ہو خُونِ جگر جس میں شامل وُہ نقش مٹانا مشکل ہے

انجامِ خوشی سے ناواقف ہیں عیش وطرب کے متوالے
ہنگامِ طرب یاد آئے انہیں اشکوں کا زمانہ مشکل ہے

بے کیف سہی بے رنگ سہی اِک لہر تو اب بھی آتی ہے
دِل لاکھ شکستہ ہو لیکن یادوں کا بھلانا مشکل ہے
ایثارِ شکستِ دِل ثاقبؔ ہر شخص کے بس کا کام نہیں
اَے اشک بہا دینے والے اِن کا پی جانا مشکل ہے

○

کہاں ذکرِ ماہ و انجم کہاں روشنی کی باتیں
یہاں صبح تک چلیں گی یونہی تیرگی کی باتیں
ستم اَے صداقتِ غم ابھی لوگ کر رہے ہیں
غمِ عاشقی کی لَے میں غمِ زندگی کی باتیں

لو وہ جانِ انجمن بھی سرِ بزم آن پہنچا
یہاں زیبِ گفتگو تھیں ابھی آپ ہی کی باتیں

کوئی لڑکھڑا نہ جائے کہیں جادۂ طلب سے
ذرا اور دھیمے دھیمے کرو آگہی کی باتیں

تری آنکھ سے بھی ہوگی کبھی بحثِ کیف و مستی
ترِی زُلف سے سُنیں گے کبھی برہمی کی باتیں
ہیں صحیفۂ وفا کے یہی باب دو نمایاں
مری دوستی کے قِصّے تری دُشمنی کی باتیں

ترا حُسن ایک نغمہ وُہی نغمۂ محبّت
مرے لب پہ رقص کرتی ہُوئی روشنی کی باتیں
مجھے مجھ سے چھیننے کی ابھی ہر ادا وُہی ہے
وُہی اُن کا حُسنِ سادہ وُہی سادگی کی باتیں

مری داستانِ غم پر وُہ سکُوتِ بے نیازی
کوئی جیسے سُن رہا ہو کسی اجنبی کی باتیں
میں سکُونِ دل کی خاطر کِسے ڈھونڈ لاؤں ثاقبؔ
مجھے ہوں نصیب کیسے گئی زندگی کی باتیں

جُرعے

سنہ ۴۷ء سے پہلے کا سب کچھ سیاسی انسانوں کی آزادی و خود اختیاری کی نذر ہو گیا تھا۔ ذہن نے زیادہ سے زیادہ سنہ ۴۰ء تک ساتھ دیا۔ سنہ ۴۰ء سے پہلے کے اشعار کے لئے دماغ پر زور ڈالا تو کوئی غزل بھی پوری یاد نہ آئی۔ بس پانچ چھ غزلوں کے دو دو چار چار شعر یاد آ سکے جو اسی ہیئت میں پیشِ خدمت ہیں۔

ثاقبؔ

پردہ اُٹھائیے گا رُخِ لاجواب سے — لپٹی ہوئی ہے دید کی حسرت نقاب سے

ہو جائیں خاک ختم ہو دِل کا معاملہ — اِک بار ہم کو دیکھ لو چشمِ عتاب سے

ڈرے عشق کی دُہائی تجلّیٔ حُسنِ دوست — گر واسطہ پڑے دلِ خانہ خراب سے

ثاقبؔ کو تیرے عِشق سے اِک زندگی مِلی
ذرّے نے اِکتساب کیا آفتاب سے

سنہ ۳۹ء

مدّت کے بعد خواب میں آ کر چلے گئے — سویا ہوا نصیب جگا کر چلے گئے

اب تک بہک رہا ہے نظامِ جہانِ دل — کیا جانے کیا نظر سے پلا کر چلے گئے

جب موج آ گئی تو وُہ آ کر مِرے قریب — محرومیوں کے رنج بھُلا کر چلے گئے
ہم اور اُن کے درد کی دولت ترے نصیب — رُتبہ دلِ حزیں کا بڑھا کر چلے گئے

ثاقبؔ وُہ کل اُٹھے تو تھے ناراض ہی مگر
جاتے ہُوئے نگاہ ملا کر چلے گئے

سنہ ۳۸-۳۹ء

بے چارگیٔ قلب ہویدا نہ کر سکے — وُہ آئے بھی تو عرضِ تمنّا نہ کر سکے
شرمندگیٔ حُسن گوارا نہ کر سکے — ایسا نہ کر سکے کبھی ایسا نہ کر سکے

دُنیا غرورِ حُسن کا انجام دیکھتی — ہم عشق میں کمال ہی پیدا نہ کر سکے
تھا زعمِ احتیاطِ تجلّی اُنہیں بہت — لیکن مِری نگاہ سے پردہ نہ کر سکے

گو ہم نے اپنے آپ کو ثاقبؔ مٹا دیا
اِس اِنتہا پہ بھی اُنہیں اپنا نہ کر سکے

سنہ ۳۸ء

ہر غم کو سازگار کئے جا رہا ہُوں میں
یُوں دِل کو پُختہ کار کئے جا رہا ہُوں میں
کہہ کر خزاں سے تیری جوانی کی داستاں
ہم پایۂ بہار کئے جا رہا ہُوں میں

تجدیدِ عہدِ لُطف و وفا کر رہے ہیں وُہ
اَور اُن پہ اِعتبار کئے جا رہا ہُوں میں
ہر شے پہ پڑھ کے پُھونک رہا ہوں فسونِ عشق
ہر شے کو پائدار کئے جا رہا ہُوں میں

اِس درجہ مضطرب ہُوں کہ بن کر حریفِ حُسن
اب اُن کو بے قرار کئے جا رہا ہُوں میں
ثاقبؔ وفورِ درد نے پاگل بنا دیا
خود کو جو آشکار کئے جا رہا ہُوں میں

۳۶-۳۷ء

نگاہوں کو مِری تُو واقفِ سرِّ نہاں کر دے
مِری کم مائیگی کو بے نیازِ دو جہاں کر دے

وبالِ جان ہوتے جا رہے ہیں حسرت و ارماں
حیاتِ چند روزہ کو حیاتِ جاوداں کر دے

سرِ محفل میں اُن سے بے تکلّف ہو کے ملتا ہُوں
کہ میری احتیاط اُن کو نہ مجھ سے بدگماں کر دے
شباب اُس حُسن ز ابر سات کو کہتے ہیں اَے ثاقبؔ
جو برسے جس زمیں پر اُس کو رشکِ گلستاں کر دے

۳۶-۳۷ء

تقاضے

مجھ پہ آوازے نہ کس میرا تمسخر مت اُڑا
میرے استغنا سے خم ہے گردنِ حرص و ہوا

ترتیب

صبحِ دیانت

مُسکرا اے دل ارادوں میں حرارت آگئی
کلفتوں میں شادمانی کی حلاوت آگئی
ظلمتِ تخئیل میں تابانیاں لہرا اُٹھیں
فکر کے دامن میں تنویرِ صداقت آگئی

رفتہ رفتہ تیرگی کی چلمنیں اُٹھنے لگیں
تیرہ بختوں کی جبینوں پر صباحت آگئی
بزمِ اعدا میں سوا نیزے پہ اُترا آفتاب
اہلِ شر محسوس کرتے ہیں قیامت آگئی

ثبت ہے ماتھے پہ ہر تاریک باطن کا مآل
بے نوا اخلاص کے رُخ پر بشاشت آگئی

لہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۵۸ء کے اِنقلاب کی نذر ۔ ثاقب

پھر دلوں میں حوصلے انگڑائیاں لینے لگے
منزلوں کے دوش پر رُوحِ شجاعت آ گئی

کون عارض سے نقابِ ناز سرکانے لگا
مُژدہ اَے اہلِ وطن "صُبحِ دیانت" آ گئی

زندہ باد اَے صاحبِ عزم و عمل پائندہ باد
آپ آئے زندگانی کی بشارت آ گئی

بے عُنوان[1]

کون یہ دھیمے سُروں میں راگنی گانے لگا
میرے تپتے ذہن پر ریشم سا پھیلانے لگا

دَوڑ اُٹھی رندوں کی شریانوں میں رُوحِ بیخودی
وجد میں آکر جو ساقی جام لہرانے لگا

پھر بکھر جانے کو ہے شیرازۂ بزمِ خرد
پھر جنوں تزیینِ مے خانہ پہ اِترانے لگا

عِشق کی نس نس میں بس کر رہ گیا کیفِ جمیل
کون کانٹوں میں گلوں کی رُوح دوڑانے لگا

کِس کی خوشبو بس گئی جلوہ بہ جلوہ ضَو بہ ضَو
وقت شہنائی پہ کِس کے زمزمے گانے لگا

---

[1] ایک بھولی بسری دلگداز یاد جو نظم ہوئے بغیر نہ رہ سکی (ثاقب)

اُٹھ رہے ہیں ذہن کے تاریک گوشوں سے نقاب
فکرِ ذوقِ شعریت کو شمع دِکھلانے لگا

کِس کی آمد ہے سرِ بزمِ وقارِ حسن و عشق
پرچمِ ایمانِ حُسن و عشق لہرانے لگا

چشم و دِل ہیں پھر رہینِ اہتمامِ ربط و ضبط
کون یہ افسانۂ ماضی کو دُہرانے لگا

کِس کی لَے رقصاں ہے ثاقبؔ زندگی کے ساز پر
میرے دِل کا ذرّہ ذرّہ جھُومنے گانے لگا

ہم

ہو کر بلند قیدِ زماں و مکاں سے ہم
ہنس ہنس کے کھیلتے ہیں بہار و خزاں سے ہم
اے چرخِ پیر تیری نوازش کا شکریہ
مانوس ہو گئے المِ جاوداں سے ہم

مہتاب کو نصیب نہ تاروں میں وہ جمال
لائے ہیں جو جبیں میں ترے آستاں سے ہم
ہے کارواں ہمارے عزائم کا معترف
گو دور رہ گئے ہیں بہت کارواں سے ہم

ہے کیا مزے کی بات کہ باوصفِ مفلسی
ہیں بے نیاز دولتِ کون و مکاں سے ہم

کامل یقین ہے کہ لہو دے رواں رواں
اسرارِ گلستاں جو کہیں باغباں سے ہم

اِک پل گذار کر ترے پہلو میں اے حبیب
ہیں بے نیازِ زندگیٔ جاوداں سے ہم
آئیں جنہیں ہے رازِ مسرّت کی جستجو
پردے اُٹھا رہے ہیں غمِ دو جہاں سے ہم

کیفِ سحر

جا رہا تھا سیر کو میں صُبح گلشن کی طرف
روشنی تھی شرق کے گُل رنگ مسکن کی طرف
نرم و نازک ٹہنیوں پر بُلبلوں کا چہچہا
آ رہی تھی عطر میں بھیگی ہُوئی ٹھنڈی ہوا

زر فشاں کرنیں تھیں شبنم کی جبیں پر جلوہ کار
پھر رہی تھی کھیلتی معصُوم کلیوں سے بہار
باغ میں ہر شاخِ گُل کے ہاتھ میں پیمانہ تھا
پتّے پتّے کی زباں پر حُسن کا افسانہ تھا

زمزمے سب وقف تھے منقارِ بُلبل کے لئے
سُرخیاں تھیں سربسر پیراہنِ گُل کے لئے
رُوح پر اِک کیفیت طاری تھی دِل بے تاب تھا
اوس کی جو بُوند تھی اِک گوہرِ نایاب تھا

جا رہے تھے مست دہقاں راگنی گاتے ہوئے
کھیت کی ترشی ہوئی راہوں پہ بل کھاتے ہوئے
مسکراتی تھی زمیں اور آسماں حیران تھا
اوس میں بھیگی ہوئی مٹّی کو اطمینان تھا

پرچمِ زر مہرِ عالم تاب لہراتا ہوا
بام پر آیا حدیثِ نور فرماتا ہوا
مسکرائے پھول کلیاں گفتگو کرنے لگیں
اوس کی پریاں سوئے گردوں قدم دھرنے لگیں

نور تاریکی کے پیچھے دوڑتا پھرنے لگا
سبز پتّوں کا پسینہ خاک پر گرنے لگا
شوخ کرنیں راستوں کی خاک پر جھکنے لگیں
نرم و نازک پتّیوں کی گردنیں اٹھنے لگیں

لے کے آئے سرد جھونکے ہاتھ میں جامِ گلاب
جاگ اٹھا کاروبارِ زندگی کا پیچ و تاب

رفتہ رفتہ آگئی تیزی رُخِ خورشید میں
ہو گیا مصرُوف سِینہ درد کی تجدید میں

رات کے دِل کا سکوں محفل میں دِن کی کھو گیا
عِشق کی حیرت کا افسانہ مکمّل ہو گیا

راتوں کے ڈھیر

(ایک کوہستانی رزم گاہ آزاد کشمیر کو چاندنی میں نہایا ہوا دیکھ کر)

خم چڑھائے جا رہا ہُوں بادۂ مہتاب کے
پھر بھی رُوحِ شعریت ممکن نہیں ہو جائے سیر
لُوٹ ہی لیں گے دِلِ ثاقب کا صبر و عافیت
یہ شبِ پُر نُور یہ سمٹی ہُوئی راتوں کے ڈھیر

وقتِ اِلتجا

(اپنی ایک مُنہ بولی بہن کی شادی پر)

کیا سبب ہے کیوں کلی دل کی ہے مُرجھائی ہُوئی
پھُول سے چہرے پہ ہے کیوں بے کسی چھائی ہُوئی
کِس تخیّل نے تجھے بخشا ہے یہ حُزن و ملال
کِس تفکّر نے تبسّم کو کیا ہے پائمال

کل تِری شادی ہے ہاں معلُوم ہے معلُوم ہے
کیا یہی باعث ہے تُو کل شام سے مغموم ہے
یہ بجا ہے اجنبی دُنیا میں تُو کل جائے گی
اَور برسوں یادِ "امّی" کی تجھے تڑپائے گی

جِس جگہ کا ذرّہ ذرّہ تجھ سے نامانُوس ہے
جِس سے لرزاں آج تیرے ذہن کا فانُوس ہے

ساتھنیں تیری یہ تجھ سے دُور تر ہو جائیں گی
جستجو میں اِن کی تیری حسرتیں کھو جائیں گی

لیکن اے عصمت کی پُتلی اِس کا غم بے سُود ہے
تیری آسائش کا ہر ساماں وہاں موجُود ہے
دیکھ یہ پیغمبروں کا فیصلہ بے جا نہیں
عُمر بھر دوشیزگی کا جوش رُک سکتا نہیں!

ناخدایانِ تمدّن عقل سے عاری نہیں
مذہبی افراد پر دیوانگی طاری نہیں
اِس جُدائی میں ہے پوشیدہ جہاں کا اِتّحاد
رُوح و تن کی شادمانی جسم و جاں کا اِتّحاد

اِس جُدائی ہی سے وابستہ ہے قوموں کی فلاح
سینکڑوں خوش بختیوں کی ہے بنا رسمِ نکاح
حسرتِ تخلیق اِک دن رُوح کو گرمائے گی
وُہ بھی دِن آئے گا جب تُو والدہ کہلائے گی

کیا عجب ہے بطن سے پیدا ہوں تیرے صف شکن
جن کو اِک دُنیا کہے جانِ وطن رُوحِ چمن
جن کی رگ رگ میں وفا و حُرّیت کا جوش ہو
موت بھی جن کے جلو میں زندگی بردوش ہو

جن کی صُورت سے نمایاں ہو جلالِ قیصری
جن کی سیرت ہو سراپا اُسوۂ پیغمبری
اِس الم کو ترک کر دے اور دُعا کو ہاتھ اُٹھا
عاجزی سے کہہ کہ مستقبل کا حامی ہو خُدا

رونے دھونے کا نہیں یہ اِلتجا کا وقت ہے
صدقِ دل سے عاجزی کر لے دُعا کا وقت ہے

وطن

(۱۴ اگست سنہ ۱۹۴۷ء کی یاد میں)

ہو باغباں کو مبارک شبابِ سرو وسمن
کہ ہو رہا ہے شگفتہ خزاں رسیدہ چمن
زمانہ آج ہے رقصاں بہشت در دامن
مگر نہاں نگہِ عیش سے ہے دورِ محن

کئی کروڑ نگاہوں کے انتظار کے بعد
اُفق سے موت کے پھُوٹی ہے زندگی کی کرن
لہُو میں ڈُوب کے پہنچے ہیں جو کنارے تک
وُہ جانتے ہیں کہ یہ راہ کس قدر ہے کٹھن

سلام تُم پہ شہیدانِ عرصۂ تقسیم
کہ جان دے کے بچا لی ہے آبروئے وطن

بُجھی نہیں ہے ابھی تشنگی زمینوں کی
ابھی فضاؤں میں برپا ہے شورِ دار و رسن

دلوں کے زخم ابھی دے رہے ہیں گرم لہو
ابھی ہیں تازہ شہیدوں کے گلفروش کفن
پھر ایک بار وہی آتشِ جگر افروز
وہ جس سے کھول اُٹھی تھی فضائے گنگ و جمن

پھر ایک بار نگاہوں سے بجلیاں برسیں
پھر ایک بار اُٹھیں نعرہ ہائے کفر شکن
مجاہدوں کے لئے امتیاز کیا ثاقبؔ
ٹھہر گیا یہ جہاں قافلہ وہیں ہے وطن

ہم لوگ

قتیلِ کشمکشِ روزگار ہیں ہم لوگ
فریب خوردۂ لیل و نہار ہیں ہم لوگ
نہ ہے کرم کہ تو مائل بہ التفات نہیں
نہ ہے نصیب، ترے بیقرار ہیں ہم لوگ

ہمیں ہیں وہ جنہیں ازبر ہے سرگذشتِ چمن
اداشناسِ خزان و بہار ہیں ہم لوگ
قدم قدم پہ ہیں مجبوریوں کے ہنگامے
خدا گواہ کہ بے اختیار ہیں ہم لوگ

ملی ہے جن کے لہو کو حرارتِ خورشید
وہی پیمبرِ برق و شرار ہیں ہم لوگ

نسیمِ صُبح چمن تک ہی رکھ نشاط اپنا
ہمیں نہ چھیڑ بڑے سوگوار ہیں ہم لوگ

ہمارے دل نے فریبِ سکوں نہیں کھایا
سمجھ کے سوچ کے سیماب وار ہیں ہم لوگ
نشیب پر نہیں اپنی بلندیوں کی اساس
ازل کے دِن ہی سے گردُوں وقار ہیں ہم لوگ

نہ اعتبارِ وفا ہے نہ اعتمادِ جفا
یہ کِس نگاہ میں بے اِعتبار ہیں ہم لوگ
ملائیں ہم سے نظر مہر و ماہ کیا ثاقبؔ
کہ اُس جمال کے آئینہ دار ہیں ہم لوگ

بنامِ اُو نامِ..........

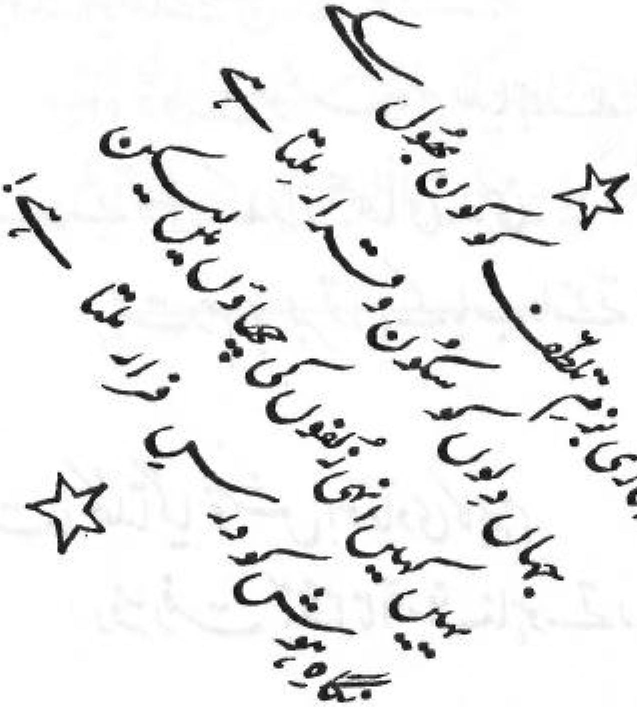
خواب میں کل تم جو مِل مِل کے جُدا ہوتے رہے
اِمتحانِ ضبطِ آہِ نارسا ہوتے رہے
اشکِ غم بہتے رہے جب تک رہے تم رُوبرُو
اُور زباں کے فرض آنکھوں سے ادا ہوتے رہے

ہائے جلوے جو تمہارے حُسن سے معمُور تھے
آہ وُہ لمحے جو محرُومِ ضیا ہوتے رہے
ہر نظر بے گانگی کے راز سمجھاتی رہی
ہر قدم پر عبرتوں کے باب وا ہوتے رہے

جس قدر کھُلتا گیا خوش اِعتقادی کا بھرم
رفتہ رفتہ آشنا نا آشنا ہوتے رہے

اللہ اللہ عہد و پیمانِ محبت کا مآل
نغمہ ہائے عیش پیغامِ قضا ہوتے رہے

جو تمہارے پاؤں پر رکھا تو سر تھا عرش پر
یوں بھی ہم آغوش یہ ارض و سما ہوتے رہے
بھول کر بھیجا نہ او ظالم کسی خط کا جواب
روز محشر بزمِ ثاقبؔ میں بپا ہوتے رہے



جہاں میں ہُوں

وفائے اہلِ دل سرِ درگریباں ہے جہاں میں ہُوں
خلوصِ مصلحت آمیز ارزاں ہے جہاں میں ہُوں
دیالِ ہوش ہیں عشق و حدیثِ عشق کے معنی
مشیّت نیم ظاہر نیم پنہاں ہے جہاں میں ہُوں

شبِ تاریک کی حسرت زدہ ذہنی کشاکش کو
میسّر کب نویدِ صبحِ تاباں ہے جہاں میں ہُوں
محبّت کا کلیں بکھرائے رہتی تھی کہاں وُہ دِن
در و دیوار پر اَب یاس خنداں ہے جہاں میں ہُوں

طمانچے پڑ رہے ہیں پے بہ پے رُوئے اخوّت پر
خُدا کا خوف رہنِ طاقِ نسیاں ہے جہاں میں ہُوں

یہاں تو چاک ہوتے ہیں گریباں اصطلاحوں پر
فریبِ زیست پر خود زیست حیراں ہے جہاں میں ہوں

قسم ان صبر و ہمّت کے سُبک رفتار لمحوں کی
عروسِ عظمتِ دل چاک داماں ہے جہاں میں ہوں
عزائم پر ہیں ایسی یورشیں بے اعتمادی کی
یقینِ زندگانی تنگ گریزاں ہے جہاں میں ہوں

تکلّف برطرف یہ دیکھ کر دل بیٹھا جاتا ہے
حقیقت گم تصنّع ہی نمایاں ہے جہاں میں ہوں

☆

یہ کس کی زندگی فروز سن رہا ہوں صدا
مجھے عدم پہ گمانِ وجود ہونے لگا
ربابِ شعر کے تاروں سے لرزشیں چھوٹیں
حریمِ دل میں کسی کا ورود ہونے لگا

☆

میں کہاں آ نکلا

(ایک پیرِ خانقاہ کی لادینی سرگرمیوں سے متاثر ہو کر)

شورشِ زُہد بپا ہے میں کہاں آ نکلا
ہر طرف مکر و ریا ہے میں کہاں آ نکلا

نہ محبّت میں حلاوت نہ عداوت میں خلوص
نہ تو ظُلمت نہ ضیا ہے میں کہاں آ نکلا

چشمِ خود بیں میں نہاں حرص زر و گوہر کی
کِذب کے لب پہ دُعا ہے میں کہاں آ نکلا

راستی لحظہ بہ لحظہ ہے رواں سُوئے دروغ
صدق پا بندِ جفا ہے میں کہاں آ نکلا

دن دہاڑے ہی دُکانوں پہ خُدا بِکتا ہے
نہ حجاب اور حیا ہے میں کہاں آ نکلا

یاں لیا جاتا ہے بالجبر عقیدت کا خراج
کیسی بے درد فضا ہے۔ میں کہاں آ نکلا

خندہ زن سفلگی ہے اس کی ہر اک سلوٹ میں
یہ جو سرسبز قبا ہے۔ میں کہاں آ نکلا
دلنوازی کے پھریروں کی ہواؤں کے تلے
جانے کیا رینگ رہا ہے۔ میں کہاں آ نکلا

عجز سے کھلتی سمٹتی ہوئی باچھوں پہ نہ جا
اِن کے سینوں میں دغا ہے۔ میں کہاں آ نکلا
یہ ہے مجبور مریدوں کی ارادت کا خمار
یہ جو آنکھوں میں جلا ہے۔ میں کہاں آ نکلا

قلبِ مومن پہ سیاہی کی تہیں اِتنی دبیز
ناطقہ سہم گیا ہے۔ میں کہاں آ نکلا
الغرض یہ وُہ تماشا ہے جہاں خوفِ خُدا
جو کڑی بھول گیا ہے۔ میں کہاں آ نکلا

مزارِ نورِ جہاں

شام کے آثار سے تھا چہرہ رخ پر ہلکا غبار
نور کا زرکار دامن ہو چکا تھا تار تار
تھا افق پر دُور گہری سُرخیوں کا اژدھام
کہہ رہا تھا فاتحِ مغرب کا دیکھو اِنتقام

اب درِ تنویر پر کوئی جبیں جھکتی نہیں
سلطنت میں میری سُورج کی کرن رُکتی نہیں
آ رہا تھا سیر سے مَیں زیرِ لب گاتا ہُوا
ہلکی ہلکی راگنی سے وجد میں آتا ہُوا

راہ میں نُورِ جہاں کا جب نظر آیا مزار
دیکھ کر اِک ہُوک سی اُٹھی جگر میں بار بار

خستہ دیواروں کی حالت اور منڈیریں سوگوار
گاہ شاداں گاہ ہوتی تھی تمنّا بے قرار
جا بجا پھیلے ہوئے تھے صحن میں تنکوں کے ڈھیر
دِل نے دی آواز ثاقبؔ یہ ہیں سب قسمت کے پھیر

یہ وُہی نُورِجہاں ہے جو بصد رُعب و جلال
منصفی کے آئینہ میں دیکھ سکتی تھی نہ بال
یہ وُہی نُورِجہاں ہے جو بہ شانِ اِحتشام
تھامتی تھی اپنے ہاتھوں سے زمانے کی زمام

ہاں اسی نُورِجہاں کی دُھوم تھی افلاک پر
سو رہی ہے آج جو مجبُور فرشِ خاک پر
یہ نظامِ دہر یکساں حال پر رہتا نہیں
ایک رُخ پر وقت کا دریا کبھی بہتا نہیں

جذبِ وفا

(ایک متموّل دوست کے مکتوب کے جواب میں)

اِک فقیرِ رہگذر ہُوں اِک گدائے بے نوا
ہے نظر لیکن مری فردوسیوں کی آشنا
میری آنکھوں میں ہے وُہ نورِ محبت جلوہ ریز
جِس کے آگے ماند ہے تابانیٔ بُغض و ریا

رُوح اُس سوز و گدازِ عشق سے ہے مضطرب
جِس سے لرزاں اَور ترساں ہے دلِ ارض و سما
مُسکراتا ہی نظر آیا وفورِ یاس میں
میرے سینے میں نہاں ہے وُہ دلِ رنگیں نوا

میری آہوں کی رسائی تک کہاں تیرا دماغ
جِس پہ تُو نے ڈال رکھی ہے تموّل کی رِدا

ہُوں وُہ رندِ خود شناس و مستِ صہبائے ازل
جس کے نعروں سے درِ تقدیس ہو جاتا ہے وا

دے نہیں سکتی میری غیرت کو ناداری شکست
آستانِ غیر پہ جُھکنا نہیں مُجھ کو روا
جتنا جی چاہے کچوکے دے دلِ بے تاب کو
زخمِ شمشیرِ ستم کھا کر کہے گا مرحبا

میرے ظاہر سے مرے باطن کا اندازہ نہ کر
آنکھ ہے میری حسیں اَور دِل ہے معمورِ ضیا
مُجھ پہ آوازے نہ کس میرا تمسخر مت اُڑا
میرے اِستغنار سے خَم ہے گردنِ حرص و ہوا

ہو سکے تو دل سے اِس جذبِ وفا کی قدر کر
میرے درسِ صدق و تسلیم و رضا کی قدر کر

☆

یاد دہانی

(یومِ آزادی کی شب ایک محفلِ رقص و سرود دیکھ کر)

مسرّتوں کے ساتھیو تمازتوں کے دوستو
ہجومِ درد چھٹ گیا اَلم کا رنگ کٹ گیا

ہے کائنات نغمہ زن ہَوا ہُوئے غم و مِحَن
بکھر گئی نئی پھبن جَبَل جَبَل دَمَن دَمَن

ہے اِک عجیب بانکپن روش روش چمن چمن
قدم بڑھاؤ جام لو
عنانِ زیست تھام لو

شفق کا رنگ چھا گیا پیامِ شام آ گیا
سنبھل رہی ہے تیرگی مچل رہی ہے چاندنی

یہ حُسن و سحرِ دلبری بہک چلی ہے زندگی
یہ شبِ فسُونِ بے خطا یہ نکہتوں کا سِلسلا

جوان دُودھیا فضا یہ زمزموں کا رت جگا
اِنہیں جو دیکھ پائے گا
نہ کیوں پیئے پلائے گا

لو مَے بہ جام آ گئی وُہ لالہ فام آ گئی
جنُوں پیام آ گئی برائے عام آ گئی

ابھی تو عام ہے پیو
خِرد غلام ہے پیو
وُہ بے حساب عصمتیں وُہ بے مثال برکتیں

جو دِن دہاڑے لُٹ گئیں تمہیں جو یاد تک نہیں
یہ اُن کا خُون ہے پیو
پیو ___ پلاؤ اور جیو

خُدا نہ دے وُہ بے ضمیر کہ جن سے قوم ہو حقیر
فقط امیر بن امیر سرود و رقص کے اسیر

مگر یہ تابہ کے چلن رہو گے کب تلک مگن
ہمیں وُہ شیر چاہئیں عدُو پہ جو جھپٹ سکیں

ہجُوم غم میں مُسکرائیں
اجل پہ قہقہے لگائیں
یہ فاقہ مست و خستہ حال نحیف برق کی مثال

نہ اِن کے فقر کو جنجھوڑ نہ یُوں کلائیاں مروڑ
اُمڈ پڑیں جو آندھیاں کڑک اُٹھیں جو بجلیاں

اگر یہ آگ اُبل پڑی اگر یہ بھُوک جاگ اُٹھی
تو زلزلہ سا آئے گا
تو عرش کانپ جائے گا

تو پھر یہ جنگِ زرگری   یہ مکر و فن کی رہبری
یہ اہتمامِ مے کشی   یہ تاجرانہ دوستی

یہ سب بنیں گی ساقیا
نہنگِ وقت کی غذا

دن

آنسوؤں سے تر بتر تکیے سے جو گردن اٹھی
پھڑپھڑا اُٹھی آنکھوں کا ذوقِ انتظار
کون سمجھائے اسے سُود و زیانِ زندگی
آج کل تو لوگ کرتے ہیں دن کا کاروبار

☆

تفاوُت

بھلاؤں کس طرح تو ہی بتلا میں اُس مسرّت کی ساعتوں کو
ترے تلطّف نے جب پیامِ دوام بھیجا تھا راحتوں کو

کہاں وُہ دن جب دماغِ اُلفت میں بُوئے عنبر بسی ہُوئی تھی
نسیمِ راحت بھی نشّہ افشاں لبوں پہ کلیوں کے بھی ہنسی تھی

قدم قدم پر حیاتِ نَو تھی اَلَم کے دھارے رُکے ہُوئے تھے
رُخِ وفا پر بشاشتیں تھیں جفا کے پرچم جُھکے ہوئے تھے

فروغِ معصومیت سے عشق و وفا کے چہرے پہ نُور سا تھا
نظر کی وادی کا ذرّہ ذرّہ حریفِ انوارِ طُور سا تھا

کہاں یہ کرب آفریں تفاوُت جُھکی ہُوئی ہے نگاہ میری
بدل چکی ہے فراقِ دائم میں اُلفتِ بے گناہ میری

میں اُس جگہ ہُوں جہاں کسی میں بھی جوہرِ آب و گِل نہیں ہے
جفا پرستوں کے تنگ سینوں میں سنگ پارے ہیں دل نہیں ہے

نگاہِ بد تاک میں لگی ہے تری محبت کا دردِ چھینے
ذرا جو غفلت میں آنکھ جھپکوں تو لے اُڑے یاد کے نگینے
مرے خیابانِ آرزو پر جفا سرشتوں کا ہے تسلّط
مری خموشی کی گفت گو پر جفا سرشتوں کا ہے تسلّط

یہ سازِ جرأت کے آتشیں زمزموں کا سیلاب روکتے ہیں
یہ شوقِ بے تاب کے جنُوں زا جواں ارادوں کو ٹوکتے ہیں
یہ پستیوں کے مکین اوجِ غمِ محبت سے بے خبر ہیں
خلوصِ نیت کی ضَو سے عاری وفا کی فِطرت سے بے خبر ہیں

غرض عجب جانکنی کا عالم ہے یاس ہر سمت چھا رہی ہے
دِل و نظر کا جہاں ہے ویراں زبان پر مُہر سی لگی ہے

☆

آجا

تیری فُرقت میں دلِ زار تپاں ہے آ جا
زندگانی پہ جہنّم کا گُماں ہے آ جا
اِن برستی ہُوئی آنکھوں کا بھرم رہ جائے
اَے سکُونِ دلِ خُونبار کہاں ہے آ جا

آرزوؤں کے مساموں سے لہُو رِستا ہے
کِس قدر درپئے آزار جہاں ہے آ جا
اَے مری رُوح کے تپتے ہُوئے صحرا کی بہار
اَب تو نغموں پہ بھی شیون کا گُماں ہے آ جا

دیکھ مُرجھا چلیں اُمّید کی نورس کلیاں
گھات میں میری بہاروں کے خزاں ہے آ جا
کیا تماشا ہے کہ ہنگامِ ظہُورِ مہِ عید
چشمِ ثاقبؔ تِری جانِب نگراں ہے آ جا

اِس موڑ کے آگے منزل ہے

بے خوف گزر اِس خوف و خطر کی وادی سے لہراتا جا
مرعوب نہ ہو اِس جنگ و جنوں کے میداں سے اِتراتا جا
موجوں کے تھپیڑے سہہ سہہ کر طوفاں کے مقابل آتا جا
اِس موڑ کے آگے منزل ہے بے باک ترانے گاتا جا

مایوس نگاہوں سے اکثر اِک آنچ نکلتی رہتی ہے
اِک شے ہے جو ہر دم سینوں میں کروٹ سی بدلتی رہتی ہے
چہرے سے عروسِ ہستی کے آنچل کو ذرا سرکاتا جا
اِس موڑ کے آگے منزل ہے بے باک ترانے گاتا جا

یہ مکر و ریا، یہ ظلم و ستم، ہر گام پہ رستہ روکیں گے
اللہ سے لے کر بندوں تک کے نام پہ تجھ کو ٹوکیں گے
اِن حرص کی گندی لاشوں سے بچتا، کھنچتا، کتراتا جا

اِس موڑ کے آگے منزل ہے بے باک ترانے گاتا جا

وُہ دیکھ تمازتِ مذہبی غیرت کے بُلند ایوانوں کی
دَولت کے تقدس نے دے دی رشوت کو جلا نذرانوں کی
ماحول کی نیّت ٹھیک نہیں ماحول سے بھی ٹکراتا جا
اِس موڑ کے آگے منزل ہے بے باک ترانے گاتا جا

تادیبِ مسلّط شکووں پر تعزیر کے پہرے آہوں پر
محلوں میں اُنہی سے رونق ہے کل تھے جو لُٹیرے راہوں پر
یہ وقت کے جھُوٹے سِکّے ہیں اِن سِکّوں کو ٹھکراتا جا
اِس موڑ کے آگے منزل ہے بے باک ترانے گاتا جا

عصمت کی تجارت ہوتی ہے تہذیب کے قحبہ خانوں میں
نامُوس کے سَودے چکتے ہیں تقدیس کے بادہ خانوں میں
تقدیس کے بادہ خانوں کی بُنیادوں کو لرزاتا جا
اِس موڑ کے آگے منزل ہے بے باک ترانے گاتا جا

اِخلاص کی سادہ راہوں میں کب تک تجھے رہبر لوٹیں گے
تاچند فریبِ جلوہ گری آخر یہ ستارے ٹوٹیں گے
ذرّوں کو ضیائیں دیتا جا تاروں کے مقابل لاتا جا
اِس موڑ کے آگے منزل ہے بے باک ترانے گاتا جا

لے مجھ سے یقیں اِس گلشن میں پھر بادِ بہاری آئے گی
پُرنور سویرا پھوٹے گا کرنوں کی سواری آئے گی
کچھ اور ذرا تاریکی میں گرتا پڑتا بل کھاتا جا
اِس موڑ کے آگے منزل ہے بے باک ترانے گاتا جا

☆ دیارِ روح پہ تاریکیوں کی یورش ہے
تمازتِ غمِ اُلفت کا حال کیا ہوگا
تجلیٔ حسن پہ جب وہ آستاں ہی نہیں
سجودِ عظمتِ دل کا مآل کیا ہوگا ☆

عالمِ بے عمل

(ایک جلسہ سیرۃ النبیؐ میں ایک بانکے مولوی کی غیر مومنانہ حرکات دیکھ کر)

اَے عالمِ دینِ مبتیں اَے ہادیِ راہِ یقیں
اَے کانِ علمِ معرفت اَے منبعِ انسانیت

اَے عابدوں کے رہنما اَے عاصیوں کے ناخُدا
اَے صاحبِ جاہ و حشم اَے حُسن و تقدیرِ اُمم

تیرا تبسّم خُوب ہے
طرزِ تکلّم خُوب ہے
ہے خُوب منبر پہ پھبن یہ عالمانہ بانکپن

تسبیح در بندِ عبا ہے دِل نشین و دِلرُبا
چَوخانے رُومالوں پہ بال لاتے ہیں رندوں کو بھی حال

لیکن نگاہوں میں نہاں
کیوں ہیں ریا کی بجلیاں
کیوں نُطق بے تاثیر ہے   بے ربط سی تقریر ہے

ہاں کیا ہُوئی نورانیت   وُہ عابدانہ تمکنت
اشکِ پیازی کیا ہُوا   سوزِ حجازی کیا ہُوا

ہو ذکرِ خیرُ الانبیاءؐ   اور بزم ایسی بے مزا
یہ وجد میں آئے نہیں   یہ لوگ غش کھائے نہیں

آ تجھ کو بتلاؤں میں راز   یہ وارداتِ سوز و ساز
کیوں خُوں میں وُہ کھولن نہیں   کیوں سم ہوا وُہ انگبیں

عالِم ہے جب تک باعمل
تابع ہیں اقوام و ملل
جب یہ نشہ جاتا رہا   سارا مزہ جاتا رہا
اُس دور پر ڈال اِک نظر   جب عشق تھا معراج پر

جب دِل برائے نام تھا　　شوقِ شہادت عام تھا
مردِ مجاہد کی نظر　　جب چیر دیتی تھی سپہر

جب گردشِ شام و سحر　　رکھتی تھی پاؤں پھونک کر
رُک رُک کے جب چلتی رہی　　رُوح الامیں کی نبض بھی

اِک وُہ تھے اور اِک تُو ہے آج
پابند و بیمارِ رواج
یہ ڈھونگ آخر تا بہ کے　　تیری حمیّت سرد ہے

یہ جہل کے مارے سبھی　　یہ زندہ جاگیریں تری
جن پر ہے اَب چشمِ کرم　　چشمِ کرم چشمِ ستم

اِن کو جہنّم میں نہ ڈال
اَے بے وقار و بے کمال
ڈاکُو ہے تو اِیمان کا　　رہزن ہے اطمینان کا
اِس عالمانہ بھیس میں　　لیتے ہیں اژدر کروٹیں

دارُو ترے کاٹے کا کیا   اے مارِ تکذیب و ریا

اے کاش یہ پہچان لیں
تیری حقیقت جان لیں

رو رہا ہوں میں وطن سے دُور فرطِ درد سے
بہہ رہا ہے آنسوؤں میں خوں یوں بہتا ہوا
آہ بھرتے وقت جیسے فرقتِ محبوب میں
قلب کھنچتا آرہا ہو سانس میں پستا ہوا

بہت دِن ہُوئے

مِرے ہاں بھی تھی محفلِ کامرانی ہر اِک آرزُو تھی مِری جاودانی
تھا اِس زور پر رقصِ حُسن و جوانی دو عالم کو میں جانتا تھا کہانی
بہت دن ہُوئے بات ہے یہ پُرانی

مچلتا تھا دِل حُسن کے جھُمٹوں پر فِدا تھی نظر ابر کی کروٹوں پر
کِسی کی جبیں کی حسیں سلوٹوں پر تزلزل میں آتا تھا قصرِ جوانی
بہت دن ہُوئے بات ہے یہ پُرانی

محبّت کے لب پر تھا خُونی تبسُّم جہاں بھر سے تھا دِل میں قصدِ تصادم
تنفّس میں تھا آتشیں سا تلاطم تھی آہوں کے آگے ہر اِک آگ پانی
بہت دن ہُوئے بات ہے یہ پُرانی

یہ ماضی و مستقبل و حال کے غم مِرے ہاں تھی اِن سب کی رفتار مدھم

میں جب لے کے ہاتھوں میں جرأت کا پرچم　　حوادث پہ کرتا تھا آتش فشانی
بہت دن ہوئے بات ہے یہ پرانی

یہ غربت کا شکوہ یہ زر کا تفاخر　　انہیں دیکھتا تھا بچشمِ تنفّر
ہر اک شب تھی جب بے نیازِ تکدّر　　ہر اِک صبح تھی زندگی کی سہانی
بہت دن ہوئے بات ہے یہ پرانی

چھلکتا ہوا جام ہمراز تھا جب　　دمکتا ہوا چاند دمساز تھا جب
گناہوں پہ بھی فخر اور ناز تھا جب　　عبادات سے تھی بڑی آنا کانی
بہت دن ہوئے بات ہے یہ پرانی

وہ منظور ہر روز تازہ جفائیں　　یونہی روز تکنا وہ آئیں نہ آئیں
جھڑکنے پہ بھی قہقہوں کی صدائیں　　غموں میں بھی تھی ہمتِ شادمانی
بہت دن ہوئے بات ہے یہ پرانی

○

رجز

ثباتِ زندگی ہم ہیں حیاتِ جاوداں ہم ہیں
ہمیں کیا وقت روکے گا کہ اِک سیلِ رواں ہم ہیں
وطن کا ذرّہ ذرّہ دیدہ و دِل کی امانت ہے
وطن کے اَور ناموسِ وطن کے پاسباں ہم ہیں

ہمیں میں آکے گُم ہوتے ہیں زعمِ خام کے جلوے
سرِ راہِ جسارت کارواں در کارواں ہم ہیں
جدھر سے ہم گزر جائیں بہاریں مُسکرا اُٹھیں
صداقت کا مچلتا جھومتا ابرِ رواں ہم ہیں

ہماری ہی ندا تھی جو سرِ گنگ و جمن گونجی
جو ہر جانب کبھی لہرا گیا تھا وہ نشاں ہم ہیں

زمانے کی ہوا نے آزمایا بارہا ہم کو
خس و خاشاکِ باطل کے لئے چنگاریاں ہم ہیں

ہمارے دم سے ہے یہ گرمیٔ ہنگامۂ ہستی
کہیں سے چھیڑ دیجیئے گا داستاں درد استاں ہم ہیں
سُبک ساران ساحل ہم سے کیا آنکھیں ملائیں گے
جہاں خُود غرق ہوں طُوفاں وُہ بحرِ بیکراں ہم ہیں

بالآخر مضطرب آنکھیں ہماری سمت اُٹھیں گی
کہ ہر آزردۂ غم کے لئے دار الاماں ہم ہیں
اگر ہم بزم سے اُٹھے تو پھر کیا بزم آرائی
کہ پروانہ صِفت ہر بزم کے رُوح رواں ہم ہیں

زمانہ زندگی پائے گا ثاقبؔ جس کی آنچوں سے
وُہ سوزِ مستقل وُہ اضطرابِ جاوداں ہم ہیں

براَبط کے نظّارے

(آزاد کشمیر میں براَبط نامی ایک رزم گاہ پر فرقان فورس کے مجاہدوں کی جاں سپار جولانیوں اور وادی کی شاداب رعنائیوں سے متاثّر ہو کر) ثاقب

اِک طُرفہ خوشی چھن جانے پر بے تاب ہے دِل رنجُور ہُوں میں
گو حُسن کے طُوفاں خواب ہُوئے اِک پاک نشہ میں چُور ہُوں میں
دیکھا ہے جو دِل کی آنکھوں سے کہنے کے لئے مجبُور ہُوں میں
براَبط کے نظارے اُف توبہ افسوس کہ اُن سے دُور ہُوں میں

خوابیدہ نظاروں کے چہرے صہبائے ضیا سے دُھلتے ہُوئے
شبنم کے لرزتے موتی بھی کانٹوں میں گلُوں کے تُلتے ہُوئے
ظُلمت کی ردائیں اُٹھتی ہُوئیں جلووں کے دریچے کھُلتے ہُوئے
براَبط کے نظارے اُف توبہ افسوس کہ اُن سے دُور ہُوں میں

وُہ رات کے عبرت نامے پر تصدیقِ سحر کا فرمانا
مدہوش فضاؤں میں یکدم آوازِ اذاں کا لہرانا
اور صبح کے چپّے چپّے کو چاندی کی قبائیں پہنانا
بربط کے نظارے اُف توبہ افسوس کہ اُن سے دُور ہوں میں

شبنم کے دُھلے گلزاروں میں چھن چھن کے ہواؤں کا آنا
بربط کے دمکتے سینے پر برکھا کا وُہ موتی برسانا
جھرنوں کے حسیں فوّاروں کی جھِل مِل میں جنوں کا افسانہ
بربط کے نظارے اُف توبہ افسوس کہ اُن سے دُور ہوں میں

جذباتِ نمُو کا یہ عالم ذرّوں میں دھڑکنے کے ارماں
ہر راہ میں نظمیں بکھری ہُوئیں ہر ذرّہ فسانے کا عنواں
ہر موڑ سراپا انگڑائی، ہر گام پہ لغزش کا اِمکاں
بربط کے نظارے اُف توبہ افسوس کہ اُن سے دُور ہوں میں

جب سانولے کھیتوں کو چھُو کر رنگین ہوائیں گونجتی ہیں
تاریک خموشی میں یکدم توپوں کی صدائیں گونجتی ہیں

بے باک مجاہد جھومتے ہیں بے باک ندائیں گونجتی ہیں
بر لبط کے نظارے اُف توبہ افسوس کہ اُن سے دُور ہُوں میں

آزاد مجاہد وادی میں جب شب کو طرارے بھرتے ہیں
اور چرخ کے پُختہ کار ستارے آنکھ مِلاتے ڈرتے ہیں
تکبیر کے نعرے سُن سُن کر بے موت بھی دُشمن مرتے ہیں
بر لبط کے نظارے اُف توبہ افسوس کہ اُن سے دُور ہُوں میں

کچھ پُوچھ نہ اُن دیوانوں کی یلغار پہ جب آجاتے ہیں
گردُوں پہ کلیلیں کرتے ہیں کہسار سے ٹکّر کھاتے ہیں
باطل کو ہزیمت ہوتی ہے دولت کے دھوئیں اُڑ جاتے ہیں
بر لبط کے نظارے اُف توبہ افسوس کہ اُن سے دُور ہُوں میں

ؔ

ا؎ سکائی لائن

یہ ضیغم

بلوچ رجمنٹ کے اُن آٹھ عسکریوں کے نام جو آٹھ ہزار کے اُس بے خانماں قافلہ کو
سرحدِ پاکستان تک اپنی جانوں پر کھیل کر بحفاظت لائے جس میں راقم الحروف
اور اُس کا بچا کھچا کنبہ بھی شامل تھا۔ ثاقب

خدنگِ عشق کے جوہر دکھا کے چھوڑیں گے
وُہ دن قریب ہے تارے فلک کے توڑیں گے
نہ جا تو خاک سے لتھڑی ہُوئی جبینوں پر
مشیّتوں کی کلائی یہی مروڑیں گے

یہ گرم سانس کی آنچیں تو صاف کہتی ہیں
شبِ سیاہ کی پہنائیوں کو توڑیں گے
حجابِ غفلتِ انساں اُٹھا کے یہ ضیغم
نصیبِ خفتۂ دوراں کو بھی جھنجھوڑیں گے

اُبل پڑیں گے حیاتِ دوام کے چشمے
شرار و سنگ کو اِس زور سے نچوڑیں گے
رگوں میں کھولتے خُوں کی ندی بتاتی ہے
بلند و سخت چٹانوں کے مُنہ بھی موڑیں گے

مُقدّروں کے نوِشتے مٹا کے لوٹیں گے
یہ کامرانی کے ڈنکے بجا کے لَوٹیں گے

☆

کچوکے دے اُسی اندازِ دل رُبائی سے
ابھی حیات کی لہروں میں اِنتشار نہیں
نظر مِلا کہ نظر پر جمُود طاری ہے
جنُوں جگا کہ مری خاک بے قرار نہیں

☆

ننگِ فقر

برسات نے ہر ذرّہ کو بخشی ہے تجلّی
موسم نے زمیندار کی کر دی ہے تسلّی
شاداب نظر آتے ہیں سب کوہ و بیاباں
نغمات کی یلغار ہے ہر سمت پر افشاں

نِکھرے سے نظر آتے ہیں بام و در و دیوار
دُلہن سی نظر آتی ہے ہر شاخِ ثمردار
گھنگھور گھٹاؤں سے برستا ہے ترنّم
اِک ظلمِ مجسّم ہے یہ فطرت کا تبسُّم

رعنائی عجب شان سے پَر تول رہی ہے
دوشیزگی جھولے کی گرہ کھول رہی ہے
اَیسے میں مگر حیف کہ درگاہی مجاور
جِن فقرِ سراپا کو مسائل بھی ہیں اَزبر

وُہ دِین کا درویش مُسلماں بہ تحمّل
گفتارِ فسُوں ساز ہے لبریزِ توکّل

جس کو ہے فقط مشغلۂ سبحہ و زُنّار
جو قوم کے ایمان کا بنتا ہے نگہدار
جو رندوں سے برگشتہ ہے واعظ سے ہے مانوس
ہے جس کا اثاثہ فقط اِک خرقۂ سالوس

قُدرت کے عطیّہ کی ہے توہین میں کوشاں
اَور قلب میں اُمڈے ہیں سیہ کاری کے ارماں
ہاتھوں میں "تبرّک" ہے نظر اَور کہیں ہے
دِل اَور کہیں ہے تو جگر اَور کہیں ہے

کوشش میں ہے دوشیزۂ معصوم کو دیکھے
بدنظری سے اُس عِفّتِ معصُوم کو دیکھے
مولا ہیں کہاں بجلیاں اِس وقت گرا دے
اِس زُہدِ ریاکار کی ہستی کو مٹا دے

ماہیا

(پنجاب کے محبوب ہر دل عزیز لوک گیت "ماہیا" کے طرز پر دوستوں کے اصرار پر قلم برداشتہ)

ہم درد کے مارے ہیں
اُلفت سے ہمیں دیکھو
تقدیر کے ہارے ہیں

دولت کی کہانی کیا
ڈھلتی ہُوئی چھاؤں کیا
بہتا ہُوا پانی کیا

پیمانے تک آ پہنچے
گر پڑ کے ترے میکش
میخانے تک آ پہنچے

تڑپاؤ نہ آ جاؤ
یہ رات غنیمت ہے
تاروں سے نہ شرماؤ

کیوں آنکھ ملا بیٹھے
ہم اپنے نشیمن میں
خود آگ لگا بیٹھے

مخمور جوانی ہے
رعنائی کے پردے میں
محشر کی کہانی ہے

کیا وقت سُہانے ہیں
تسکینِ دل و جاں پر
نظروں کے نشانے ہیں

اے کاش تم آ جاتے
بُجھتی ہُوئی آنکھوں کی
شمعوں کو جلا جاتے

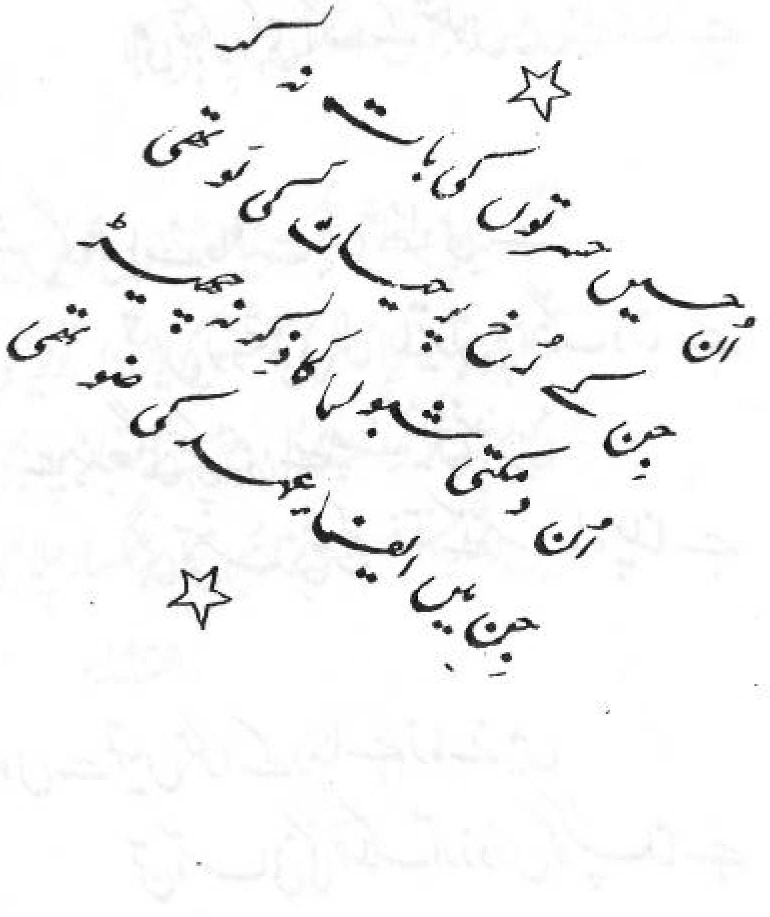
گھنگھور گھٹا چھائی
افلاک سے پھر میری
توبہ کی قضا آئی

وُہ سامنے آ بیٹھے
بولیں یا اُنہیں دیکھیں
ہم ہوش گنوا بیٹھے

اِس شب کو تو ٹھہراؤ   رُکتی ہی نہیں ظالم   زُلفوں کو تو لہراؤ

بازی کہیں ہاری ہے   نظروں کا یہ کہنا ہے   رو رو کے گزاری ہے

افسردہ سا رہتا ہے   مِل کر بھی اُنہیں ثاقبؔ   پژمُردہ سا رہتا ہے



تلقین

(اپنے ایک مہاجر عزیز کو احساسِ زیاں میں ڈوبا ہوا دیکھکر)

پُرانے زخم کے ٹانکے نہ توڑو غم بڑھانے کو
ابھی تُم کو مصائب کے نئے سانچوں میں ڈھلنا ہے
ابھی سے کیوں ہراساں ہو ابھی سے چین کیا معنی
ابھی تم کو دہکتی آگ کے شعلوں میں جلنا ہے

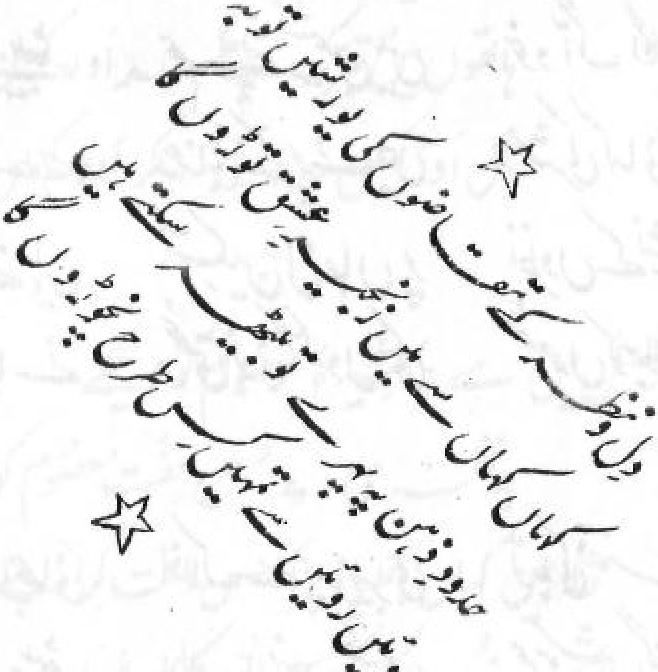
تلاشِ گوشہ ہائے عافیت میں نامُرادی ہے
تمہیں تو دُشمنوں کی چھاتیوں پہ مونگ دلنا ہے
ابھی سے بندھ گئی ہچکی ابھی سے چھُٹ گئیں نبضیں
ابھی تو چرخِ کج رفتار کے ہمراہ چلنا ہے

پہاڑوں سے تمہیں ٹکرا کے رہنا ہے زمانے میں
تن آسانی کی مہلک آرزوؤں کو کچلنا ہے

تمہارے سامنے ہیں زندگی کے مرحلے لاکھوں
زمانے کو پلٹنا ہے ہوا کا رُخ بدلنا ہے

اگر ہے امنِ ساحل دُور موجوں سے تو ہونے دو
تمہیں بپھرے ہُوئے طُوفاں کے پہلو میں مچلنا ہے
نئی راہیں، نئی دُشواریاں ہیں پھر بھی چلنا ہے
جنہیں اکسیر بننا ہے انہیں بھٹّی میں جلنا ہے

۱۹۴۷ء



چلا بھی آ

تجھے کیا خبر نہیں زندگی کا کچھ اِعتبار چلا بھی آ
مجھے اپنے قلب پہ اب نہیں رہا اِختیار چلا بھی آ
کفِ ناز پر لئے جامِ بادۂ خوشگوار چلا بھی آ
میں وفورِ غم سے نزار ہوں مرے غمگسار چلا بھی آ

جو ترے حضور گذر گئیں وُہی ساعتیں تو تھیں ساعتیں!
انہیں ساعتوں ہی کی یاد سے مِری زندگی کی لطافتیں
مِری زندگی، مِری شاعری، مرے شاہکار چلا بھی آ
میں وفورِ غم سے نزار ہوں مرے غمگسار چلا بھی آ

مِری کائناتِ حیات کو ہے گریز صبر و سکون سے
مِری ہمنشین ہیں وحشتیں مِری زندگی ہے جنون سے
مجھے ایک پل تیری یاد میں نہیں اب قرار چلا بھی آ
میں وفورِ غم سے نزار ہوں مرے غمگسار چلا بھی آ

پھر اُسی نگاہ سے مُلتجی ہُوں کہ جس کے کیف و سُرور سے
غمِ ہجر کے بھی تکلّفات کو دیکھتا تھا غُرور سے
دلِ غم نصیب کو دیکھ لے کبھی ایک بار چلا بھی آ
میں وفورِ غم سے نزار ہُوں مرے غمگسار چلا بھی آ

کچھ عجب ہے رنگِ بہار کا رُخِ دہر پر ہے نکھار سا
ہے کلی کلی کی زبان پر ترا تذکرہ مرا ماجرا
یہ سماں اور ایسے میں چُپ رہے ترا غمگسار چلا بھی آ
میں وفورِ غم سے نزار ہُوں مرے غمگُسار چلا بھی آ

تُو اگر یہ چاہتا ہے شعارِ شکوہ کو چھوڑ دُوں تو یُونہی سہی
تُو جو چاہتا ہے کہ دِل کی آس کو توڑ دُوں تو یُونہی سہی
مجھے سب خُوشی سے قبُول ہے مرے "اعتبار" چلا بھی آ
میں وفورِ غم سے نزار ہُوں مرے غمگسار چلا بھی آ

۱۹۴۵ء

بھکارن

شفق کی سُرخیاں پیغام لائیں شادمانی کے
سجے مغرب میں میخانے شرابِ ارغوانی کے
لگا اُٹھنے دُھندلکا ملگجی سی رہگزاروں سے
ہزاروں مستیاں پھیلیں فضا میں لالہ زاروں سے

گھروں کی سمت آئے کھیتیوں سے مست چرواہے
لگے آباد ہونے شہر کے خاموش چوراہے
ضیاؤں کے دریچے تیرگی نے بند کر ڈالے
نگوں تھے خاک پر گلشن میں شرمائے ہوئے لالے

چراغوں کی ضیائیں تیرگی میں جھلملا اُٹھیں
ستاروں کی نگاہیں آسماں پر تلملا اُٹھیں

شفق سے سُرخ پانی نے بھی کیں رنگینیاں پیدا
تخیّل میں مرے یکدم ہوا طوفان سا برپا

میں اسٹیشن کی جانب چل دیا یوں بے خیالی میں
خودی کے راز تک کھوتے گئے آشفتہ حالی میں
مچلتا گنگناتا میں مُسافر خانے جا پہنچا
مری آنکھوں نے اِک دِلسوز نظّارہ وہاں دیکھا

بلا کا شور تھا ہنگامۂ بے تاب تھا ہر سُو
نظر کے سامنے اِک مضطرب سا خواب تھا ہر سُو
بھکارن کی صدا لیکن وہاں کوئی نہ سُنتا تھا
صدائیں جو لگاتی تھی کہ "پیسہ دیجیو بابا"

خُدا کے نام پہ دیجو خُدا اُس کا ثمر دے گا
مُرادوں سے تمہارا دامنِ مقصود بھر دے گا
بھکارن سر بسر اِک رنج کی تصویر تھی گویا
کتابِ غُربت و افلاس کی تفسیر تھی گویا

نگاہوں میں پریشاں حال ارماں ڈگمگاتے تھے
رُخِ رنگیں پہ ابرِ بے بسی آتے تھے جاتے تھے
کسی کو رحم آتا تھا نہ لیکن اُس کی حالت پر
نظر جمتی نہ تھی اُس کی پریشاں حال صُورت پہ

صدا بے کیف سی گُم ہو رہی تھی جو فضاؤں میں
نوا والا، کوئی دِلبر بنا نہ بے نواؤں میں
یہ عالم دیکھ کر ثاقبؔ مِرے آنسو نِکل آئے
جو دِل میں درد کے طُوفاں تھے آنکھوں میں اُبل آئے

خیال آیا کہ میرے ملک کا انجام کیا ہو گا
اگر ناکامیوں کا ہے یہ عالم کام کیا ہو گا
اِسی صُورت رہے زوروں پہ گر افلاس و ناداری
امیروں کو بھی ہو جائے گی اِک دِن زندگی بھاری

سرِاہلِ دُوَل پر تیز خنجر جگمگائیں گے
فضائے صاف میں یہ سانس تک لینے نہ پائیں گے

جگا دیں گے یہ فاقے ایک دن شورِ بغاوت کو
وُہ دِن نزدیک ہے یہ بھُوک کھا جائے گی دولت کو

۱۹۴۲ء

سرابِ کیف کی جاں سوز آتشیں لَو سے
حیاتِ عشق کی رعنائیاں پگھلتی رہیں
تری وفاؤں کا انمول رُوپ ڈھلتا رہا
مرے خمار کی کیفیتیں بدلتی رہیں

بے اولاد سرمایہ دار

اے کہ تجھ کو لوگ کہتے ہیں بڑا سرمایہ دار
مُنعمانِ وقت میں ہے آج کل تیرا شمار
ہے ترے دم سے ہی تیری کارگاہوں کا نظام
تیرے اَیوانوں کے ماتھے پر رقم ہے تیرا نام

تھیئٹروں میں، عارضی بنکوں میں تجھ سے جان ہے
تیری دولت گاہ کیا ہے سیم وزر کی کان ہے
یہ ترے رنگیں منارے یہ ترِے اُونچے محل
ہے ثبوت اِس کا کہ تُو ہے منعموں میں بے بدل

ہر الیکشن میں کیا جاتا ہے تیرا اِنتخاب
مانتے ہیں سینکڑوں اِنسان تیرا رُعب و داب

چھپتی ہے تصویر تیری ہر نئے اخبار میں
ہیں فرشتوں کی طرح خادم ترے دربار میں

پھر بھی تو غمگین ہے مغموم ہے رنجور ہے
رُخ پہ شادابی ہے تیرے قلب میں ناسُور ہے
جس گھڑی تو سیم و زر کو دیکھ کر ہوتا ہے شاد
ہاں اُسی دم گھر کا منظر بھی تجھے آتا ہے یاد

ہے چراغِ صُبح کی مانند یہ تیری حیات
تیرے قصرِ زندگی میں پل رہے ہیں حادثات
نام لے کر بھی ترا کوئی نہ بھیجے گا درُود
خاک میں مِل جائے گا اِک روز سامانِ وجُود

دیکھ اِک مزدُور کی نادار کی حالت بھی دیکھ
اپنی عظمت پر نظر ڈال اُس کی نکبت کو بھی دیکھ
ڈھانپنے کو تن نہیں دو گز اُسے کپڑا نصیب
دیکھنے جاتے نہیں بیمار بچوّں کو طبیب

جب گلے سے لگ کے ہنس پڑتے ہیں اُس کے بے زباں
بھول جاتا ہے وُہ سب رنج و محن کی داستاں
ہیں مہیّا ہر طرح آرام کے ساماں تجھے
اور عطا فطرت نے کی ہیں سینکڑوں خوشیاں تجھے

تیری قسمت میں نہیں لیکن کوئی گھر کا چراغ
تجھ کو ہے محرومیٔ اولاد اِک سینے کا داغ
تجھ میں اور اُس میں یہ فطرت کی طرف سے فرق ہے
تُو تو دولت میں مگن ہے وُہ خوشی میں غرق ہے

اُس کو حاصل ہے توکّل تجھ کو حاصل ہے فراغ
تیری آنکھیں شادماں ہیں اُس کا دِل ہے باغ باغ
کوئی بارش تیرے دل کے داغ دھو سکتی نہیں
کوئی ظُلمت اُس کی تابانی کو کھو سکتی نہیں

سنہ ۱۹۴۰ء

مادرِ مُجاہد

(ایک مُجاہد کی محاذِ کشمیر کو روانگی کے منظر سے متاثر ہو کر)

اِنہی ماؤں کے سانسوں سے وفا کے راگ نکلیں گے
اِنہی کے گرم آنسو بن کے ٹھنڈی آگ نکلیں گے

مادرِ مُجاھد

نہیں بھُولا میں اَب تک وُہ الم انگیز نظّارہ
کہ جب بھی یاد آجاتا ہے دِل ہوتا ہے صد پارہ
شفق اَور ہلکی ہلکی دُھوپ تھی جب سبزہ زاروں پر
سُنہری شام طاری تھی سراسر کوہساروں پر

ہواؤں کی کھنک سے مدھ بھرے نغمے برستے تھے
نظر کے وَلولے اَنوار کے مُنہ کو ترستے تھے
ہویدا تھے رُخِ تنویر سے نقشِ پشیمانی
ہر اِک منظر پہ تھی ظلمات کی مشقِ سِتم رانی

کِسی منظر کے لب پر بھی نہ تھی اَب گفتگو دِن کی
سکُوتِ شام میں گُم ہو چُکی تھی ہاؤ ہُو دِن کی

دھندلکوں، ظلمتوں سے اَٹ رہا تھا فرشِ نورانی
ترانے گا رہا تھا جُوئبــاروں کا رواں پانی

عجب تھے نُور و تاریکی میں کچھ باہم اشارے سے
جہاں تھے گاؤں اَب واں تھے فقط دُھندلے کنارے سے
عرُوسِ تیرگی گیسُوئے شب لہرانے والی تھی
تھکے ہارے بیابانوں کو اَب نیند آنے والی تھی

چمن زاروں میں اِک مرعُوب خاموشی سی طاری تھی
سواری آرہی تھی ٹھاٹ سے شہزادیٔ شب کی
ستارے آسمانوں پر پلک جھپکانے والے تھے
بیاباں کے شجر بھی ہانپ کر سو جانے والے تھے

اِسی عالم میں میں بھی گنگناتا گاؤں آپہنچا
سحر سے شام تک پیدل سفر کا دُھوپ کا مارا
زباں پر شکوۂ ناسازیٔ دورِ زمانہ تھا
نظر میں وقت کے پہلو بدلنے کا فسانہ تھا

گِرا جاتا تھا نظروں سے وقارِ کوشش و محنت
کہ دِن بھر جو عرق ریزی کریں اُن کی ہو یہ دُرگت
پسینے کی جگہ جو خُوں بہائے اُس کی یہ حالت
جِسے دن رات دردِ قوم کھائے اُس کی یہ حالت

مُسلماں ہے مگر الطافِ یزداں کو ترستا ہے
سرِ کشتِ اُمید ادبار کا بادل برستا ہے
مِرے مَولا میں سُنتا تھا تُو حامی ہے غریبوں کا
مُعیں افلاس کے ماروں کا ہے اَور کم نصیبوں کا

مگر تُو جن کا حامی ہو وُہ ہر سُو ٹھوکریں کھائیں
بتا تُو ہی کہ آخر یہ ترے بندے کِدھر جائیں
یہ مجھ میں اور دِل میں تھی ابھی اِک کش مکش جاری
کہ اِتنے میں مِرے کانوں میں ہچکی کی صدا آئی

معاً جذبات کی دُنیا میں ہلچل سی ہُوئی پیدا
ہُوا احساس کے دریا میں اِک طُوفان سا پیدا

طبیعت مضمحل سی ہو گئی اِک درد سا اُٹھا
میں دِل کو ہاتھ سے تھامے ہُوئے آخر وہاں پہنچا

جہاں شکوہ تھا غربت کا نہ اِحساسِ امیری تھا
دِلوں میں شعلہ زن اِک جذبۂ آفاق گیری تھا
تجھے اَے ہم نفس میں کیا بتاؤں میں نے کیا دیکھا
محبّت کو وطن کی آن پہ ہوتے فِدا دیکھا

غریبی میں دِلوں کی شوکت و تاب و تواں دیکھی
جواں بیٹے کو جو قُربان کر ڈالے وُہ ماں دیکھی
یہ دیکھا اِک جواں "امّی" کے پاس اِک تار لایا ہے
جو اُس کے نام اُس کے حاکِم لشکر نے بھیجا ہے

جو اِس مضموں کا حامل ہے کہ "اَے جنّت کے متوالے
شجاعت اَور ایماں کی مقدّس گود کے پالے
وطن کے نام پہ صرف اِس قدر حد سے گزرتا ہُوں
مِلی تھی جو تجھے رُخصت اُسے منسُوخ کرتا ہُوں

اُفق سے اُٹھ کے نزدیک آ گئی ہے خوفناک آندھی
عدُو نے زعم میں شبخونِ تسکیں پر کمر باندھی
بہت ممکن ہے ناموسِ وطن پر حرف آ جائے
ہمارے صیقلِ امن و اماں کو زنگ کھا جائے

ضرُورت جس قدر تیری ہے میں کچھ کہہ نہیں سکتا
یہ تارِ اُس شدّتِ احساس تک کو سہہ نہیں سکتا
اِسے تم حُکم جانو، اِلتجا سمجھو، چلے آؤ
وطن کی عظمتوں کا اِقتضا سمجھو، چلے آؤ"

سِتم یہ ہے کہ پرسوں ہی جواں آیا تھا گاؤں میں
ابھی وُہ اجنبی تھا صحن کے پیپل کی چھاؤں میں
بلائیں بھی بہن ماں جائے کی لینے نہ پائی تھی
ابھی تک نانی جی بھر کر دُعا دینے نہ پائی تھی

ابھی ماں نے وُہ جتنا چاہتی تھی مُنہ نہیں چُوما
ابھی شہباز سارے گاؤں تک میں بھی نہیں گھُوما

پلا تھا جن کے سائے میں وُہ چھپر تک نہیں دیکھے
وُہ جن پر دل سے مائل تھا وُہ منظر تک نہیں دیکھے

ابھی ہے باپ کے مرقد پہ پڑھنا فاتحہ باقی
وُہ کیا بتلائے کیا کچھ کر لیا ہے اور ہے کیا باقی
عیاں ویرانیاں دِل کی ہیں بہنوں کی نگاہوں سے
نگاہیں جو لپٹ کر رہ گئی تھیں اُس کی راہوں سے

وُہ غم سے مُضطرب تو ہیں مگر اس کی نہیں قائل
کہ اُن کا پیار ہو جائے وطن کے پیار میں حائل
ہے ماں خاموش غم میں صُورتِ تصویر بیٹھی ہے
لئے ہونٹوں پہ جیسے قسمتِ کشمیر بیٹھی ہے

بصد ہمّت وُہ بولی خاک سب ارمان کرتی ہُوں
مِرے بیٹے تجھے کشمیر پر قُربان کرتی ہُوں
مِرا دل گو ترے جانے کے غم سے پارا پارا ہے
نہ کھُل کر رو ہی سکتی ہُوں نہ ضبطِ غم کا یارا ہے

وطن کی آن اِک جانب ہے اَور دل دُوسری جانب
مِرا منہ دُوسری جانب ہے منزل دُوسری جانب
نظر میں تیری دوشیزہ بہن بھی ہے بُڑھاپا بھی
غریبی ۔ بے بسی ۔ بے چارگی اپنا رنڈاپا بھی

زمانے کی ہوس کاری کا ڈر بھی اَور نکبت بھی
فلک کی گردِش جَور و جفا بھی اَور فلاکت بھی
مگر خُوش ہُوں کہ اَب تک دولتِ ایمان باقی ہے
شہنشاہوں کو جو حاصِل نہیں عرفان باقی ہے

ہماری آن پر آیا نہیں ہے کوئی داغ اَب تک
دِلوں میں عصمتِ مریم کے ہیں روشن چراغ اَب تک
تُو پھر اِک بار گاؤں میں بہ تُزک و احتشام آئے
وطن کے دشمنوں پر فتح پائے شاد کام آئے

ہمیں جس نے تجھے بخشا تھا وُہ تیرا سہارا ہو
وُہی تیرا محُافظ ہو وُہی حامی ہمارا ہو

تجھے وہ فتح و نصرت دے ہمیں صبر و سکوں بخشے
تجھے کیا ہر جواں کو جاں دینے کا جنوں بخشے

خوشی اور غم کے رنگیں آنسوؤں سے یہ فضا ٹوٹی
اِدھر رخصت ہوا شہباز اُدھر پہلی کرن پھوٹی
نگاہیں جگمگا اُٹھیں مری نورِ محبت سے
کہ پاکستان قائم ہے اِنہی ماؤں کی ہمت سے

یہ زندہ ہیں تو پھر باقی ہے ایماں بھی شجاعت بھی
اور ان کے دم سے قائم ہے وطن کی قدر و عزت بھی
چٹانوں سے بھی ٹکرائیں گے اِن کے صف شکن جا کر
اَنی کو چومتے ہوں گے بدن پر برچھیاں کھا کر

صفوں کو کاٹ کر یہ شیر سوئیں گے کچھاروں میں
لہو سے اِن کے گل بوٹے اُگیں گے لالہ زاروں میں
نقوشِ پا سے اِن کے زندگی انگڑائیاں لے گی
عدم کے گنبدوں سے اِن کی خاموشی صدا دے گی

اِنہی کے ضیغموں کی دھاک ہے اقصائے عالم پر
بجا ہے اِن کے شیروں کے قدم چومے فلک جھک کر
اِنہی ماؤں کے سانسوں سے وفا کے راگ نکلیں گے
اِنہی کے گرم آنسوؤں کے ٹھنڈی آگ نکلیں گے

یہ زندہ ہیں تو پاکستان کی قسمت ہے تابندہ
کمالِ صفدری قائم جلالِ حیدری زندہ
یہ مائیں دُشمنِ اِسلام کو نیچا دکھائیں گی
یہی کشمیر کی جنّت کو آزادی دلائیں گی